قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے، نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

ماہنامہ

المرشد

لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

محمد عبداللہ اویسی

جلد: ۱۷ | رجب سنہ ۱۴۱۶ھ بمطابق دسمبر سنہ ۱۹۹۵ء | شمارہ ۵

مدیر:- تاج رحیم | سرکولیشن مینیجر:- رانا جاوید احمد

فی پرچہ ۱۵ روپے

بدل اشتراک

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی	" "	" "
سری لنکا۔ بھارت۔ بنگلہ دیش	۴۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۹۰ سعودی ریال	۷۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۴۵ امریکن ڈالر	۳۰۰ امریکن ڈالر
کینیڈا	۵۰ امریکن ڈالر	۳۵۰ امریکن ڈالر

پتہ:- ماہنامہ المرشد۔ اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور۔

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق | فون نمبر۔ ۵۱۱۵۰۸۶

پرنٹر:-

اس شمارے میں

اداریہ:	ذکر الٰہی کا نفسیاتی پہلو		صفحہ ۳
تفسیر:	لاریب فیہ	مولانا محمد اکرم اعوان	۴
	سائنس اور اسلام	مولانا محمد اکرام اعوان	۱۰
تصوف:	علماء اور پیروں کا رویہ	مولانا محمد اکرم اعوان	۱۶
شخصیات:	حضرت مجدد الف ثانی کی ملی و دینی خدمات	پروفیسر محمد عارف اظہر	۲۲
اقتصادی تحقیق:	قومی ترقی میں رکاوٹیں	اکبر علی، ایم۔اے	۲۷
سیاسیات:	نو آبادیاتی نظام کے وارث	مولانا محمد اکرام اعوان	۳۱
بین الاقوامی:	Implication of PLO-Israel Accord on Arab Politics	طارق مجید	۴۸

ماہنامہ المرشد کے

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجددِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیرِ اعلیٰ: ایم اے (عربی)

نشرواشاعت: پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (اسلامیات)

ناظرِ اعلیٰ: کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر: تاج رحیم

اداریہ

ذکر الٰہی کا نفسیاتی پہلو

عبادات' وظائف و تسبیحات کے عمل میں آسان ترین عمل "ذکر الٰہی" ہے۔ نہ وقت کی پابندی' نہ جگہ کی قید اور نہ کسی دوسرے لوازمات کے ساتھ مشروط ہے۔ البتہ اس کے بدلے میں جتنی برکات اور انعامات ہیں ان کا حساب نہیں۔ ان سب کی اہمیت اپنی جگہ لیکن جو جسمانی' ذہنی اور مادی فائدے انسان کو اللہ اللہ کرنے سے ملتے ہیں۔ ان کا اندازہ کرنے کے لئے ایک منظم سائنٹفک ریسرچ کی ضرورت ہے۔

کردار پر ذکر الٰہی کا اثر پڑنے کے جو نتائج دیکھنے میں آئے ہیں کہ بدکردار' راشی' ظالم اور ڈاکوؤں کو جس انداز میں بدلتے دیکھا ہے (اور تاریخ بھی ایسی بے شمار ہستیوں کی گواہ ہے) اگر ایسے لوگوں میں تبدیلی کے اس عمل کو "سوچ کی تبدیلی" سمجھ کر نظرانداز نہ کیا جائے بلکہ صحیح اور جدید بیالوجیکل ریسرچ کے جدید ترین آلات کو استعمال میں لاکر تحقیق کی جائے تو شاید ایسے لوگوں میں GENETIC تبدیلی کے ثبوت مل جائیں۔ یہ تو ایک ثابت شدہ حقیت ہے کہ ایک قاتل اور مجرم کے ڈی این اے (DNA) میں کروموسوم کی ترتیب عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس ترتیب کے ساتھ مجرم کے کردار میں تبدیل خلاف فطرت ہے۔ لیکن اللہ کے ذکر میں ایسی قوت ہے جو ایک مجرم کی فطرت کو تبدیل کر دے اور یہ تبدیلی اس کے DNA کے کروموسوم کی ترتیب کی تبدیلی سے ہی ممکن ہے۔

اللہ اللہ کرنے والوں کی صحبت اور محفلوں میں شامل ہونے والے دل اور کینسر جیسے جان لیوا امراض کے مریضوں کو اپنے مرض پر قابو پاتے اور صحت یاب ہوتے دیکھا ہے۔ اللہ نے انسان کے جسم میں امراض سے دفاع اور خود علاج (Self Healing) کا ایک سسٹم رکھا ہے مثلاً "سفید خلئے (White Cell) انسانی جسم میں دفاعی فوج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب یہ نقطہ بھی ماہرین تحقیق کے لئے ایک کھلا (Unexplored) میدان ہے کہ اللہ اللہ کرنے سے دماغ میں کون سی موجود گرہیں (Junctions) کھل (Activate) جاتی ہیں کہ مریض کی Self Healing قوت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ کینسر کے ایک Tumor کو ریزہ ریزہ کر کے جسم سے خارج کر دیتا ہے۔

اللہ اللہ کرنے سے انسانی کردار میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ جو ماہرین نفسیات کے مطالعے کے لئے ایک دلچسپ فیلڈ ہے۔ ایسے ایسے افراد دیکھنے میں آئے ہیں جو احساس کمتری کے مرض میں بری طرح مبتلا تھے۔ اللہ والوں کی صحبت اور اللہ اللہ کرنے کو اپنی عادت بنا لینے سے ان کی شخصیت کو نہ صرف یہ کہ احساس کمتری سے آزادی ملی بلکہ حیران کن حد تک ان میں خود اعتمادی اور قوت ارادی پیدا ہوئی۔

ایک اور عجیب نظارہ جو اللہ اللہ کرنے کے اثرات کے نتیجے میں اور ذاتی تجربے میں آیا ہے کہ معمولی سوچ و فکر سے علم کو ایسے راز منکشف ہو جاتے ہیں کہ انسان خود حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

ذکر الٰہی کیا ہے؟ کوئی جادو ہے؟ معجزہ یا کرامت ہے" چلیا وظیفہ ہے جس سے اتنی روحانی' جسمانی' نفسیاتی اور مادی فوائد کے وابستہ کیا جا رہا ہے؟ ہم درویش لوگوں کی نظر میں تو اللہ اللہ کرنا اپنی زندگی کی تاریں اس پاور سورس کے ساتھ جوڑنا ہے جہاں سے کائنات کی تمام ترانرجی پیدا ہو کر پھیلتی ہے اور پوری کائنات کو زندہ اور تابندہ رکھتی ہے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایک کار کی اپنی مخصوص چابی گھمانے سے وہ کار سٹارٹ ہو جاتی ہے۔ اس کے انجن کا اندرونی میکانزم کیا ہے؟ یہ کام ٹیکنیکل ماہرین کا ہے۔

مسلمان سکالرز' ریسرچ کرنے والوں' سائنسدانوں' ماہرین نفسیات بلکہ زندگی کے ہر شعبے کے ماہرین کے لئے "ذکر الٰہی" ایک کھلا چیلنج ہے کہ دین کو پانچوں کی اونچائی اور داڑھی کی لمبائی ناپنے کے حدود میں دیکھنے کی بجائے اپنے اپنے شعبے کی ماہرانہ اور تحقیقی نظر سے دیکھیں اور تلاش کریں کہ صرف اللہ کے نام کے ذکر میں اگر اتنے راز مل سکتے ہیں تو پورے دین میں کائنات کے جو راز سربستہ ہیں ان کو کون تلاش کرے گا؟ مسلمان ماہرین کے لئے ایک دعوت ہے کہ اب تک تو آپ نے یہ کام آئن سٹائن کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ آئندہ کے لئے کیا ارادے ہیں؟

تاج رحیم

تفسیر

لَا رَیْبَ فِیْہِ

مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الم۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔

رب جلیل نے نے سورۃ فاتحہ کے بعد ان مبارک کلمات سے اپنی کتاب کا افتتاح فرمایا ہے۔ سورۃ فاتحہ جیسے کہ آپ جانتے ہیں یہ جامع دعا ہے۔ اس میں عظمت باری کا اقرار ہے آخرت کا اقرار ہے اپنی عجز و پا ماندگی کا اقرار ہے۔ ایک نیکی کی طلب ہے اور برائی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اتنی جامع دعا کا جواب ان آیات مبارکہ سے شروع ہوتا ہے کہ یہ صراط مستقیم یا سیدھا راستہ جو راہ ہدایت طلب کیا ہے وہ تمہارے سامنے ہے اللہ کی کتاب کی صورت میں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کتاب عظیم کو پڑھنے سے پہلے یہ یقین کر لو کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ۔ یہ ایسی کتاب ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ کہ اس میں کوئی شبے کی گنجائش نہیں۔ دنیا میں مختلف موضوعات پر مختلف کتب ملتی ہیں ایک موضوع لے لیں تو اس پر لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ ان میں مختلف الرائے لوگوں کی تصنیفات ہوں گی اور پھر کوئی بھی رائے یقینی اور آخری نہیں ہو گی بلکہ بعد میں آنے والے ان میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ اس کے باوجود وہ اس کو کلی طور پر سما نہیں سکتے۔ ایک جو رائے متعین کی جاتی ہے وہ بعض اوقات ممالک کی تبدیلی سے بدل جاتی ہے اقوام کے مزاج کی تبدیلی سے بدل جاتی ہے زمانے کے فاصلے سے اسے تبدیل کر دیتے ہیں ایک رائے آج درست ہے آنے والے زمانے میں وہ درست نہیں ہوتی لیکن یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی ہر خبر بغیر کسی شک کے خواہ اس نے گذشتہ کے بارے اطلاع دے دی یا اس نے آئندہ کے بارے پیش گوئی کر دی جو کہہ دیا اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں جو حکم اس نے دے دیا وہ آخری حکم ہے اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

اور پھر یہ کمال ہے چودہ صدیوں کا طویل فاصلہ اس بات پر گواہ ہے قران حکیم نے جس کام کو کرنے کا جو انداز یا طریقہ اختیار فرمایا ہے یا ارشاد فرمایا ہے وہ اتنا ہمہ گیر ہے کہ اسے ملکوں کے فاصلے یا زمانے کے فاصلے متاثر نہیں کرتے جو کام جس طریقے سے کرنے کا یہاں حکم دیا ہے اس کام کو دنیا کے دوسرے سرے تک کرنے کا سلیقہ بھی وہی ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جن آسانی سے وہ یہاں ہو سکتا ہے اسی عمدگی سے وہ وہاں بھی ہونا ممکن ہے جس کام سے قرآن حکیم نے روک دیا ہے اس سے بہرحال رک جانا ہی بہترین طریقہ ہے اس کا اور جو قومیں جو ملک جو لوگ ان افعال پہ نہیں رکے وہ ان کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ سامنے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا اس مختصر سے وقت میں ہم دو انداز سے جائزہ لیں گے۔

ایک تو یہ ہے کہ ایک ایسی جامع اور کامل کتاب جو ذات باری کے ارشادات ہیں وہ مسلمان قوم کے پاس ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس قوم کے پاس زندگی کا پورا ٹائم ٹیبل ہے دنیا میں آج سارے زمانے کے ظلم کا نشانہ بنی ہوئی ہے اور وہ اقوام جو اس کتاب اللہ کو اللہ کی کتاب تسلیم ہی نہیں کرتیں وہ اس پر ظلم توڑ رہی ہیں وہ اقتدار میں ہیں طاقت میں ہیں۔ ایسا کیوں ہے سب سے پہلی بات یہ خیال فرما لیجئے کہ ہر فعل کے دو نتیجے ہوتے ہیں ایک نتیجہ فوری ہوتا ہے اور ایک نتیجہ وہ ہے جو آخری زندگی میں' یہاں سے جانے کے بعد' اگلی دنیا میں سامنے آئے گا۔ قرآن حکیم نے جو طرز حیات دیا ہے یا جس کام کو کرنے کا جو طریقہ ارشاد فرمایا ہے ان کے بھی دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں ایک فوری اور ایک آخری جو ابدی زندگی میں سامنے آئے گا۔ جو نتائج ابدی زندگی میں سامنے آئیں گے ان کے لئے ایمان شرط ہے اگر ایمان نہیں ہو گا۔ تو قرآن حکیم کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کافر کوئی نیکی بھی کرتا ہے تو چونکہ اس کا اللہ کے ساتھ ایمان نہیں اللہ کے رسول کے ساتھ ایمان نہیں اللہ کی کتاب کے ساتھ ایمان نہیں کوئی ایسا کام بھی وہ کرتا ہے جو واقعی نیکی ہے تو اللہ کے لئے' آخرت کے لئے' نہیں کرتا۔ آخرت کے ساتھ اس کا ایمان ہی نہیں تو وہ نیکی بھی کسی نہ کسی دنیوی لالچ میں آکر کرتا ہے۔ سو اس کا بدلہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ آخرت میں اس کا دامن خالی رہتا ہے۔

مومن کسی نیک کام پر عمل کرتا ہے تو اس کی نگاہ صرف دنیوی فوائد پر نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی کتاب اور اخروی نتائج پہ نگاہ ہوتی ہے اسی لئے اسے اس کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ملتا ہے۔ تو یہ ایک نتیجہ ہے۔ ایک نتیجہ فوری ظاہر ہوتا ہے مثلاً" کھانا کھایا مومن نے بھی کھایا کافر نے بھی کھایا فوری نتیجہ یہ ہے کہ مومن کا پیٹ بھی بھر جاتا ہے کافر کا پیٹ بھی بھر جاتا ہے آخرت میں نتائج مختلف ہوں گے کہ مومن نے حلال طریقے سے کھایا اور پاکیزہ کر کے کھایا۔ آخرت میں اس پر انعام مرتب ہو گا۔ کافر نے اپنی پسند سے حاصل کیا۔ اپنے مزاج سے کھایا آخرت میں اس کے لئے کچھ نہیں لیکن دنیا میں اس کی بھوک مٹ جائے گی۔

تو یہ جو دنیوی نتائج ہیں جو اقدام آج روئے زمین پر غالب ہیں آپ جاپان کو لے لیں' چائنہ کو لے لیں' امریکہ کو لے لیں یا رشیا کو لے لیں۔ کسی بھی ملک کو لے لیں جس پہلو میں وہ قوم آسودہ حال ہے اس کو اگر آپ سامنے رکھیں گے تو اس میں انہوں نے وہ طریقہ اپنایا ہوا ہو گا۔ جو قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے اگر وہ اکنامیکلی آسودہ حال ہے تو ان کے کاروبار میں دیانت ہو گی اگر وہ فوجی برتری حاصل کرتے ہیں تو ان میں اپنی قوم کے لئے جان قربان کرنے کا جذبہ موجود ہو گا تو اس کا جو فوری نتیجہ ہے اس کے لئے ایمان شرط نہیں ہے اگر مومن چھوڑ دے گا اس طریقہ کار کو کافر اپنے لے گا۔ دنیا میں غلبہ کافر کے پاس چلا جائے گا۔

اس بات کا صرف ایک پہلو نہیں ہے بلکہ دو پہلو ہیں ایک ان اقوام کی زندگی کا وہ پہلو ہے جس میں انہوں نے وہ اصول اپنا لئے جو قرآن حکیم نے دیئے ہیں ورنہ جب بغداد کی گلیاں اور سڑکیں پختہ ہوا کرتی تھیں تب تک پیرس کی گلیوں میں گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ ہوا کرتا تھا۔ اور سارے یورپ کو اس زمانے کا مورخ کیو مین (MAN CAVE) لکھتا ہے "غاروں میں رہنے والا" لکھتا ہے انہیں مکان تک بنانا نہیں آتا تھا۔ ایک مشہور واقعہ ہے۔

کہ یورپ کے کسی حکمران کو امیر بغداد نے ایک گھڑی کا تحفہ بھیجا سارے اہل دربار نے زور لگا لیا لیکن ان کے پلے کچھ نہ پڑا۔ انہوں نے ایک قاصد بغداد بھیجا کہ کوئی ایسا آدمی بھیجو جو اسے چلا لے یعنی اتنے پیچھے تھے یہ لوگ۔ آج جن جن امور میں وہ ہم سے سبقت لے گئے ہیں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان امور میں انہوں نے وہ اصول اپنا لئے ہیں۔ جو قرآن حکیم میں مسلمانوں کو عطا فرمائے گئے

اور انہوں نے بلا وجہ ایسا نہیں کیا بلکہ مسلمان ایک صحرا سے مٹی بھر افراد اٹھے اور بائیس تئیس سالوں میں وہ روئے زمین پر چھا گئے بڑی عجیب بات ہے تاریخ میں اتنی بڑی سلطنت ایک امیر کے تابع ہو یہ صحابہ کے عہد سے نہ پہلے نظر آتی ہے نہ اس کے بعد نظر آتی ہے پوری معلوم تاریخ انسانی میں کوئی ایسی سٹیٹ نظر نہیں آتی کہ جو سائبیریا سے لے کر جنوبی افریقہ تک ہو اور چائنہ سے لے کر ہسپانیہ تک ہو اور اس کا ایک امیر ہو اور ایک آدمی کے حکم کے تابع ہو اور اس میں اللہ کا قانون نافذ ہو۔ ان اقوام نے اس بات کا تجزیہ کیا کہ آخر یہ مٹھی بھر صحرا نشین دنیا پر کیوں کر چھا گئے۔ تو جو باتیں انہیں نظر آئیں انہوں نے اپنانے کی کوشش کی نتیجتاً" دنیوی زندگی میں وہ باتیں ہم سے چھوٹتی گئیں وہ اپناتے گئے ہم مغلوب ہوتے گئے وہ غالب ہوتے گئے۔

ایک پہلو ان کی زندگی کا یہ ہے جہاں انہوں نے قرآنی اسالیب کو ٹھکرا دیا قبول نہیں کیا مثلاً" مرد اور عورت کے تعلقات میں یورپ نے۔ مغرب نے غیر اسلامی قوموں نے قرانی کے بتائے ہوئے قاعدے کو ٹھکرا دیا انہوں نے اپنے طور پر کچھ قواعد مقرر کئے اور آپ جانتے ہیں کہ آج مغرب کا دانشور یہ کہتا ہے کہ اس موضوع پر ہم اس قدر ذلیل ہو چکے ہیں اور اتنے گر چکے ہیں کہ اب اس گڑھے سے ہم واپس بھی نہیں نکل سکتے یعنی جہاں سے انہوں نے قرآنی تعلیمات کو چھوڑ کر اپنا راستہ اپنایا ہے۔ اس پہلو پہ وہ اقوام اتنی ذلیل ہیں۔ اتنی رسوا ہیں اور اس قدر پریشان حال ہیں کہ اب وہ اس سے واپسی کا راستہ بھی نہیں پا رہیں۔ کہ آئندہ کی نسلوں کو بچانے کا کچھ کر سکیں۔

اگر وہ اپنے ذہن سے کوئی بات تیار کر کے افق دنیا پہ غلبہ حاصل کرتے تو یقیناً اپنے اس پہلو کے لئے بھی کوئی بات سوچ لیتے بنا لیتے یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کاروباری دیانت اور قومی جذبہ۔ مثال یہ ہے کہ میرے پاس ایک سویڈن کا سفیر آیا کرتا تھا وہ دوست تھا میرا اور وہ لوگ کسی بھی مذہب کے پابند نہیں ہیں نام کسی کا عیسائی ہے کسی کا اور مذہب میں ہے لیکن محض نام ہے عقیدتاً" یا عملاً" وہ کسی چیز کو نہیں مانتے۔ میرا وہ شکاری دوست تھا کبھی کبھی میرے پاس آتا تھا آپ ایک کافر کی دیانت دیکھیں کہ سفارت خانوں میں بے شمار فنڈز ہوتے ہیں لیکن شکار کے لئے جو اس نے جیپ خریدی اس کے لئے اس نے اپنی تنخواہ سے پیسے بچائے جو بندوقیں خریدیں ان کے لئے تنخواہ سے پس انداز کرتا تھا۔ اور جو امینیشن لیتا تھا اس کے لئے اپنی تنخواہ پس انداز کرتا تھا اور وہ چھ چھ مہینے شکار کے لئے نہیں نکلتا تھا کہتا تھا یار میرے پاس پیسے نہیں بچ رہے میں ہر مہینے سے کچھ بچاتا ہوں تو جب کچھ رقم بچ گئی تو میں آؤں گا شکار کریں گے آپ دیکھیں گے جس پر کوئی چیک نہیں ہے کوئی سفیر کو پوچھ نہیں سکتا وہ کروڑوں روپے کا بل دے دے تو اگر وہ شکار کرنے جاتا ہے تو وہ بھی اس کی سفارتی ڈیوٹی میں ایک حد تک آ جاتا ہے کسی ملک کے اندرونی علاقے تک کو وہ دیکھ آئے یا لوگوں سے مل آئے شکار کے بہانے ہی دیکھ آئے لیکن نہیں وہ کہتا تھا میں ڈیوٹی کر کے نہیں آتا بلکہ میرا جی چاہتا ہے اور میں اپنی طبیعت سے آتا ہوں مجھے قومی خزانے پہ بوجھ ڈالنے کا کوئی حق نہیں آپ اندازہ فرمایئے اور اس کے ساتھ اپ ہم میں اپنے کردار کو دیکھیں اور موازنہ کر کے دیکھیں کہ غلبہ کس طرف جائے گا کون غالب رہے گا۔ اگرچہ وہ کافر ہے آخرت کے لئے نہیں کرتا آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا لیکن دنیوی زندگی میں تو آپ دیکھ ہی لیں گے کہ سویڈن ایک ایسا ملک ہے آج جس پر اگر ایٹمی بارش بھی کر دی جائے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس وقت دنیا میں سویڈن ایک ایسا ملک ہے کہ سمندری جہازوں سے لے کر ہوائی جہازوں تک کہ ایئرفورس اس کے پاس زیر زمین موجود ہے اور جتنی آبادی سویڈن میں ہے ساری آبادی کے لے رہائش اور شہر اور بازار زیر زمین موجود ہیں۔ ایک ایسا ملک ہے جس کی کسی سے لڑائی نہیں کسی سے جھگڑا نہیں بلکہ یہ

سوال ہوا تھا ان کے منسٹر پر کہ آپ کا تو کسی ملک کے ساتھ تنازعہ ہی نہیں ہے تو یہ اتنا خرچ کیوں؟ تو اس نے کہا کہ جھگڑا بننے کے لئے کسی وقت کا انتظار ہوتا ہے کب کھڑا ہو جائے؟ تو یہ ضروری تو نہیں کہ جھگڑے آدمی وراثت میں ہی لے کسی وقت بھی ہو سکتا ہے اس وقت وہ امریکہ اور رشیا سے بھی بہت آگے ہیں پوری آبادی کے لئے ان کے پاس زیر زمین تہہ موجود ہے بلکہ اب نئے گھر جو وہاں بنتے ہیں وہ بنتے ہی سارے زیر زمین ہیں سمندروں کو کاٹ کر زیر زمین لے گئے ہیں سمندر میں ان کی بحری بندرگاہیں زیر زمین ہیں بحری جہاز ان کے اندر جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز آتا ہے لینڈ کرتا ہوا زیر زمین چلا جاتا ہے اور اس قدر انہوں نے اس میں تعمیر اور ترقی کی ہے کہ پورے ملک کو وہ ایٹمی جنگ سے فوراً بچا سکتے ہیں اور کسی ملک کے پاس ایسا پروٹیکشن نہیں ہے یہ ترقی انہیں کیوں نصیب ہوئی یہ جو میں نے جذبہ عرض کیا ہے ایک آدمی میں نہیں ہے یہ ان کا قومی جذبہ ہے قومی کردار ہے اور جہاں انہوں نے بھی چھوڑ دیا ہے وہاں وہ بھی بڑے پریشان ہیں والدین کو اولاد سے کوئی توقع نہیں ہے اور اولاد کو والدین کی پرواہ نہیں ہے میاں بیوی مل کر رہنا چاہیں مل کر رہتے ہی نہیں تو

I Cant Love You More Darling

ایک جملے کے بعد ختم ہو جاتی ہے گزارا نہیں ہو سکتا تم اپنا رستہ لو میں اپنا رستہ لیتا ہوں۔

تو یہ حادثہ ہمارے ساتھ کیوں ہے؟ اتنی بڑی خبر اور اتنی بے نظیر ہستی کی زبانی ہم تک پہنچی کہ خبر دینے والا واحد لاشریک خالق کائنات ہے اور خبر پہنچانے والا مخلوق ہونے کے باوجود اپنی تخلیق میں بے نظیر کائنات ہے اس کا کوئی ثانی نہیں انسان حسن کا شروع ہی سے طلب گار ہے اسے حسین پتھر نظر آئے تو یہ نگینے کی طرح جڑ کر اسے انگلی میں پہن لیتا ہے سینے سے لگا لیتا ہے زیور بنا لیتا ہے اسے حسین مکھڑا نظر آئے تو اس پہ فدا ہوتا ہے حسین آواز کو یہ سنے تو اسے سننا چاہتا ہے کسی حسین شے کو یہ دیکھے تو اسے دیکھ کر اسے فرحت ہوتی ہے کوئی حسین لباس ہو تو اسے پسند آتا ہے پھر ساری دنیا کا حسن جمع کر دیا جائے تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن بے نظیر کا عشر عشیر نہیں قد و قامت میں اخلاقیات میں خلق میں بات کرنے کے انداز میں تعلقات میں کسی پہلو میں لیں تو حسن کامل کا یکتا نمونہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آواز کے حسن کو لیں تو جو آواز کا حسن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا وہ آپ ہی کا حصہ تھا کم و بیش سوا لاکھ کا مجمع حجتہ الوداع میں تھا جہاں ایک موزوں آواز سے خطبہ حجتہ الوداع جو ایک معروف خطبہ ہے ارشاد فرمایا آخر والا آدمی اسی طرح سے اس آواز کو سن رہا تھا جس طرح وہ سن رہا تھا جو پہلی صف میں تھا۔ کلام کا حسن یہ ہے کہ کلام ذات باری کا ذاتی کلام ہے اتنے سارے حسن جب بیک جا جمع ہوں ہم دعوی ایمان بھی کرتے ہیں تو پھر اس پر قائم کیوں نہیں رہتے اس حسن کو ہم محسوس کیوں نہیں کرتے وہ ہمیں مجبور اور پابند کیوں نہیں کر دیتا ہم یہاں ٹھٹھک کر رک کیوں نہیں جاتے کہ حق یہاں ہے اس سے آگے جانے کی ضرورت نہیں ہے دیکھیں کتنا بے نظیر جملہ ہے۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ کہیں جانے کی ضرورت ہی ختم ہو گئی کہ یہ تمہارے پاس ایک ایسی جامع کتب ہے جس میں تمہاری زندگی کے ہر سوال کا جواب موجود ہے اور وہ جواب موجود ہے جسے کبھی تبدیل نہیں کیا جائے گا جس میں کوئی اصلاح کی گنجائش نہیں ہے کسی طرح کی غلطی کا کوئی خطرہ نہیں ہے کسی طرح کے کوئی دھوکے کا امکان نہیں ہے یہ بالکل محفوظ اور سیف راستہ ہے جو حتمی یقینی اور آخری ہے۔ اور بڑی عجیب بات ہے۔

کہ ہم ان آیات سے گزر جاتے ہیں ان کی اس گہرائی کو ہم محسوس کیوں نہیں کرتے؟ وہ ہمارا حال کیوں نہیں بن جاتی؟ کیا قرآن میں یہ قوت نہیں ہے؟ اس جواب کو ہم ان غرباء مسلمانوں میں تلاش کریں گے جو بڑے مسکین تھے بڑے غریب تھے مشرکین مکہ کے غلام تھے نسل

در نسل لیکن جب انہوں نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو وہ چند نفوس قدسیہ روئے زمین پر اکیلے مسلمان تھے۔ نہ ان کے پاس کوئی فوجی طاقت تھی نہ کسی حکومت کا تحفظ۔ نہ کسی خزانے کی امید' نہ کسی دنیوی دولت کے ملنے کی کوئی توقع۔ لیکن یہ بات ان کی گہرائیوں میں اس طرح اتر گئی کہ مشرکین کے سارے مظالم مل کر بھی ان کی زبان پر اس کا انکار نہیں لائے کتنی عجیب بات ہے ایک شخص نسلاً" بعد نسلاً" غلام ہو وہ کہہ دے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو پھر وہ سارے روسائے مکہ مشرکین مکہ دنیا کا ہر ظلم اس پر آزما لیں۔

آپ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معروف واقعہ کو ہی لے لیں کون سا ظلم ہے جو ان پر توڑا نہیں گیا۔ مشرکین ان کے دل کو دیکھ رہے تھے کیا؟ وہ زبان سے تو کہہ سکتے تھے کہ میں انکار کرتا ہوں لیکن یہ حق اتنا گہرا ہوتا چلا گیا کہ ان کے دل میں کہ بے ہوشی میں بھی اگر بات نکلتی تھی منہ سے تو کہتے تھے احد احد۔ اس کے علاوہ کوئی بات زبان سے نکلتی نہیں تھی گرم لوہے سے داغے گئے گرم ریت پر لٹایا گیا کوڑوں سے پیٹا گیا سینے پر بھاری پتھر رکھے گئے کہ کون سا ظلم ہے جو نہیں آزمایا گیا بلکہ بعد میں دکھایا کہ آگ جلا کر مجھے انگاروں پر لٹا دیا گیا اور گوشت کی چربی جل کر اس نے وہ آگ بجھائی وہ داغ ہمیشہ ان کی پشت پر رہا۔ لیکن یہ بات کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حق ہے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کروں گا اس کے خلاف بادل ناخواستہ بھی نہ کہہ سکے کہ دل میں وہ بات رکھتے بظاہر کہہ دیتے اتنا بھی نہ ہو سکا کیوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور دنیوی تعلیمات میں ایک فرق ہے ہم دنیا کے علوم حاصل کرتے ہیں جس کے لئے ایمان شرط نہیں ہے وہ سارے علوم دماغ حاصل کرتا ہے ایمان دل کا فعل ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

تصدیق قلبی موجود نہ ہو تو زبان سے کہہ دینے سے آدمی مردم شماری میں تو مسلمان ہو جاتا ہے لیکن عند اللہ نہیں۔ اللہ کے نزدیک اس کا اسلام تب ہی قبول ہوتا ہے جب اس کا دل بھی اس بات کو قبول کرتا ہو لیکن دنیوی امر کے لئے ضروری نہیں ہے۔ ہم دنیا کے سارے علوم کسی سے حاصل کرتے ہیں اس کی پرواہ کریں نہ کریں اس کی عزت کریں نہ کریں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے جانے نہ جانیں وہ تعلیم ضائع نہیں ہوتی تعلیمات نبوت کے لئے سب سے پہلے نبی پر ایمان ضروری ہوتا ہے اور اس ایمان کے ساتھ اس احترام و ادب کی ضرورت ہوتی ہے جو نبی ماننے کے بعد انسان پر واجب اور فرض ہو جاتا ہے۔ دنیا کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ استاد کی پرواہ نہ کریں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن دین میں جونہی نبی کی عظمت سے ہمارا قلب باہر نہیں نکلے گا۔ تعلیم کی برکات اٹھ جائیں گی کیونکہ دنیوی تعلیم میں صرف الفاظ ہوتے ہیں اور تعلیمات نبوت میں الفاظ کے ساتھ کیفیات ہوتی ہیں دنیا کی تعلیم کو آپ علم نہیں کہہ سکتے وہ معلومات ہوتی ہیں نبی کی تعلیم علم ہوتی ہے آدمی کا حال بن جاتی ہے دنیا دار آپ کو پڑھاتا رہے کہ دیانت کیا ہے تو وہ دیانت پر بحث کرتا رہے گا آپ کو دیانت دار نہیں بنا سکے گا۔ نبی جب فرما دے کہ دیانت یہ ہوتی ہے تو سننے والے میں اگر ایمان ہو تو دیانت اس کا حال بن جائے گی۔ یہی حال ان مساکین و غرباء کا تھا جو بظاہر وہ مساکین تھے لیکن اللہ نے انہیں شرف بخشا۔ دیکھیں اللہ کی اطاعت فرض ہے اللہ کے رسول کی اطاعت اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن خداوند عظیم نے ان خدام نبوی کو یہ منصب عالی دے دیا کہ۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ یہ جو دو طبقے ہیں سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار صحابہ **وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔** رضی اللہ عنھم ورضو عنہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے مینار نور یہی ہیں جس نے صدق دل سے ان کی غلامی

کر لی اللہ فرماتا ہے میں اس سے راضی ہوں میں اسے راضی کروں گا یہ نبی تو نہیں ہیں ان کی اطاعت کا حکم کیوں دے دیا گیا؟ اس لئے کہ انہوں نے وہ کیفیات و برکات اس طرح حاصل کیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ان کی اپنی پسند ختم ہو گئی اب جو وہ کرتے ہیں وہ کام ان کا نہیں ہوتا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے اسی کو اصلاحا" فنا فی الرسول کہا جاتا ہے کہ یہ کیفیت صرف نبی کے وجود پاک میں ہوتی ہے کہ جب اس پر یقین کامل نصیب ہو ایمان کامل نصیب ہو تو آدمی کی پسند فنا ہو جاتی ہے۔

آپ نے دنیا میں دیکھا ہو گا لوگ مختلف محبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں اور بڑی عجیب عجیب محبتیں ہوتی ہیں کسی کو محض کبوتر اڑانے کی محبت ہوتی ہے بے تکی سی بات ہے لیکن وہ اپنا سارا آرام ضائع کر کے کبوتروں کی نگہبانی میں لگا رہتا ہے اسے اپنی ورزش کرنے کی فکر نہیں ہے لیکن کبوتر باقاعدہ اپنے وقت پر اڑائے گا کہ ان کی ورزش جو ہے وہ جاری رہے۔ لوگوں نے کتے رکھے ہیں بعض نے دوڑانے کے لئے بعض نے شکار کے لئے اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب ہم نماز سے فارغ ہو کر آ رہے ہوتے ہیں وہ بیچارے کتے کی ڈور پکڑے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہوتے ہیں کتے کو ورزش کرانے کے لئے یعنی آدمی کتے کی غلامی کر رہا ہے اللہ کا سجدہ دینے کی فرصت نہیں ہے اپنی صحت کا خیال نہیں ہے گرمی سردی کی پرواہ نہیں ہے لیکن یہ محبت ہے کہ میں کتا بھگاؤں۔ کتنی عجیب بات ہے۔

اسی طرح آپ مختلف چیزوں کا اندازہ کرتے جائیں جس نے جس طرف اپنا دل جوڑ لیا اس کی محبت دل میں گڑ گئی۔ وہ اپنی پھر نہ ذات کا خیال کرتا ہے نہ اپنے مال کا خیال کرتا ہے اور آبرو تک کا خیال نہیں اب یہ ہے آبروئی کی بات ہے کہ ایک انسان کتے کی مالش کر رہا ہے عجیب بات ہے لیکن وہ کرتے ہیں اور بڑی مشقت سے کرتے ہیں۔

اگر یہ دل کی محبت متوجہ ہو جائے نور نبوت کی طرف اور آدمی کو اپنی پسند کا ہوش نہ رہے اسے اپنی عزت اپنی آبرو اپنا کمال صرف اس بات میں نظر آئے کہ میں یہ غلامی نبھا سکوں تو اسے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ ایمان اسی کیفت کا نام ہے۔ اللہ کریم ہمیں یہ دولت نصیب فرمائیں تو آج یہ بھی زمانہ پلٹ سکتا ہے کہ مسلمان بجائے دکھ اور تکلیف کے دنیا کے دکھوں کا مداوا کرنے والا بن جائے اللہ کریم عامتہ المومنین کو یہ توفیق نصیب فرمائے۔

مسلمان سکالرز اور ماہرین کے لئے دعوت

زندگی کے ہر شعبے سے وابستہ خصوصاً تعلیم و تدریس (ہر شعبہ) میڈیکل سائنسز' ٹیکنیکل و ٹیکنالوجی' صنعت' بنکنگ و فنانس' قانون و عدلیہ اور بے شمار دوسرے شعبوں کے ماہرین سے گذارش ہے کہ ریسرچ اور تحقیق کے مختلف کاموں میں ہمیں آپ کی ماہرانہ رائے' تجربات اور مقالوں کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ اس کے لئے مناسب ہو گا کہ ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوں۔ آپ اپنے نام اور پتے کے علاوہ اپنا Bio Data ہمیں بھیج دیں تو ہم آپ سے وقتا" فوقتا" رابطہ قائم رکھیں گے۔ آپ کا Bio Data ہمارے پاس مکمل Confidential رہے گا۔

تاج رحیم
سیکرٹری نشر و اشاعت و تحقیق
اویسیہ سوسائٹی' کالج روڈ' ٹاؤن شپ لاہور

سائنس اور اسلام

مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ۔

آج کا عہد (جس میں ہم زندہ ہیں) سائنس کا عہد کہلاتا ہے اور ان گذشتہ پچاس سالوں میں جتنی سائنسی ایجادات سامنے آئی ہیں اور اس موضوع پہ جس قدر انسانی عقول نے غلبہ حاصل کیا ہے وہ دنیا کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتا بلکہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان تبدیلیوں کو آتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ یہاں موٹریں نظر نہیں آتی تھیں۔ اب دیہات اور گاؤں میں گھر گھر کاریں کھڑی ہوتی ہیں ابھی کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ لوگوں کو سواری کے لئے سائیکل مہیا نہیں ہوتا تھا اب ہر آدمی ہوائی جہاز سے سفر کرتا ہے۔ اتنی بے شمار تبدیلیاں بہت کم وقت میں آ گئیں۔ اب اس سائنسی ترقی نے ایک عجیب صورت اختیار کر لی ہے۔ صورت حال ہمارے سامنے یہ ہے کہ یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اسلام اور سائنس شاید ایک دوسرے کے مقابل ہیں' سائنس روز بروز ترقی پذیر ہے اور اسلام نے جو تصورات' ایمانیات عطا کئے ہیں وہ کمزور ہو رہے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہندو مت کمزور نہیں ہو رہا انہیں اپنے ہندو ہونے پہ فخر ہے اور ان کے جو بین الاقوامی چینلز ہیں ان پر وہ بتوں کی پوجا' پرستش اور انسانوں کو پتھروں کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہوئے دکھاتے اور اس پر فخر کرتے ہیں عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتا ہے اور مخلوق کی صفات خالق میں ماننے والا شرمندہ نہیں ہوتا۔ اس کا سائنس کچھ نہیں بگاڑتی۔ حالانکہ بڑی آسانی سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اللہ میاں ایک ہی بیٹا پیدا کر کے فارغ ہو گئے (اگر اللہ کی اولاد ہے) اور پھر اللہ جب ہمیشہ ہے تو اولاد بھی تو ہونی چاہئے یعنی اگر اللہ کی اولاد ہے تو کیا ایک ہی بار ایک ہی بیٹا ہوا اور پھر وہ بات ختم ہو گئی؟ کیا اللہ جل شانہ میں کوئی کمی آ گئی؟ بوڑھے ہو گئے؟ ضعف طاری ہو گیا؟ اولاد کے قابل نہیں رہے؟ لیکن وہ اس عقیدے پر شرمندہ نہیں ہیں۔

امریکہ میں ایک بہت بڑے صحرائی علاقہ سے ہم گزر رہے تھے۔ چار پانچ سو میل ویرانہ ہے۔ وہاں ہر پچاس ساٹھ میل کے بعد ویرانے میں بھی ایک پٹرول پمپ ہوتا ہے جہاں پٹرول پمپ ہو گا وہاں ضرورت کی ہر چیز مہیا کرنا ان پمپ والوں کے زمے ہوتا ہے۔ اس لئے ساتھ ایک دکان بھی ہوتی ہے' باتھ رومز ہوتے ہیں' فاسٹ فوڈ کا سامان ہوتا

ہے تو وہاں قریب ایک فارم تھا۔ اس فارم کا مالک وہاں بیٹھا تھا۔ کوئی برگر وغیرہ لے کر کھا رہا تھا۔ ساتھی پٹرول لینے لگے میں گاڑی سے باہر ذرا کھلی ہوا میں بیٹھ گیا۔ تو وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ بھئی تم کون ہو؟ کیونکہ میرا لباس یہی ہوتا ہے شلوار قمیض واسکٹ اوپر پگڑی باندھ لی۔ بتایا "مسلمان ہوں پاکستان سے" کہنے لگا "تم مسلمان کس خدا کو مانتے ہو؟ میں نے کہا تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس خدا کو مانتے ہو؟ کہنے لگا "ہاں! مانتے ہیں' جیزز کو ہم خدا مانتے ہیں" "جیزز دی گاڈ" میں نے کہا Where is he now اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں تو وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کیسا خدا؟ جس خدا کو لوگوں نے پھانسی دے دی اور وہ اپنی جان نہ بچا سکا تم اس سے کیا لو گے؟ وہ تمہاری کیا Protection (تحفظ) کرے گا؟ وہ تمہیں کیسے زندگی دیتا ہے جو خود موت سے دو چار ہو گیا؟ وہ کہنے لگا کہ آپ کا خدا تو نظر ہی نہیں آتا میں نے کہا نظر آئے نہ آئے اسے کوئی پکڑ نہیں سکتا' کوئی پھانسی نہیں دے سکتا' کوئی اسے سزا نہیں دے سکتا بلکہ میں نے کہا لوگوں کی نظریں اس کی ذات کا احاطہ ہی نہیں کر سکتیں۔ ان سے بہت بالاتر ہے وہ اور تم جس ہستی کو خدا مانے بیٹھے ہو وہ تو تمہارے اپنے عقیدے کے مطابق بھی صلیب پر چڑھ گیا۔ اور اب تم خدا کے معاملے میں تو بقلم خود ہو۔

You have no God تمہارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن عیسائی اس عقیدے پہ شرمندہ نہیں ہے' یہودی شرمندہ نہیں ہے۔ اسے کوئی سائنس شرمندہ نہیں کرتی۔ وہ عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتا ہے۔

مسلمانوں نے تو اس وقت سائنسی ایجادات کیں جب مغرب والے سائنس کے نام تک سے آشنا نہیں تھے۔ سب سے پہلے بارود مسلمانوں نے ایجاد کیا' اسلحہ مسلمانوں کی ایجاد ہے' بحری بیڑا مسلمانون نے ایجاد کیا۔ اس سے بعد دوسرے بحری بیڑے اور بحری فوجیں اور دوسری ساری چیزیں بنیں' گھڑی مسلمانوں نے ایجاد کی' پیغام رسانی کے جتنے ذرائع ہیں ان کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی' حکومتی شعبے اور تعلیمی اداروں کے شعبوں کی بنیاد مسلمانون نے رکھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان ایجادات کر رہے تھے تو مغرب میں پادریوں نے یہ فتوی دیا تھا کہ یہ جادو ہے اور جو ان کی بات سنتا ہے وہ بھی جادوگر ہے۔ جو ان کی بات مانتا ہے اسے زندہ جلایا جائے۔ مغرب میں جو بندہ مسلمانوں کی ایجادات کا قائل ہوتا تھا اسے گرجا والے' کلیسا والے زندہ جلا دیتے تھے۔ کتنی عورتیں' کتنے مرد زندہ جلائے گئے۔ مسلمانوں کے پاس سائنس کہاں سے آئی۔

سائنس کا اگر ہم مفہوم بیان کرنا چاہیں تو سائنس وہ علم ہے جو فطرت کے بنائے ہوئے اصولوں میں سے کچھ اصولوں کو سمجھ لیتا ہے۔ یعنی کس کس چیز کو ملایا جائے تو نیلا رنگ بن جاتا ہے یا کون کون سے رنگ ملائے جائیں تو وہ براؤن ہو جاتا ہے؟ یا اس میں اور کیا ملایا جائے کہ وہی ڈارک ہو جاتا ہے؟ اس نسبت اور اس کی خصوصیت کو جان لینے کا نام سائنس ہے۔ پھر سائنس کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس نے پاور (قوت) اور انرجی (طاقت) کو استعمال کرنے کا گر سیکھ لیا۔ اب اس طاقت سے وہ لائٹیں روشن کرتی ہے اس نے بجلی کو قابو کر لیا' ٹرینیں چلا لیں' ہوائی جہاز اڑا لئے۔ بنیادی طور پر انرجی کو اپنے اختیار میں لانے کی بات ہے اور یہ باتیں آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم نے' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الٰہی نے سب سے پہلے بتائیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔

یعنی انرجی (طاقت) اور لائٹ (روشنی) یہ دو چیزیں ہیں۔ یہ سائنس نہیں جانتی تھی۔ قرآن نے اس زمانے میں بتایا کہ سورج صرف روشنی ہی نہیں۔ انرجی بھی دیتا ہے۔ سورج کی جو شعاع آتی ہے وہ صرف اجالا نہیں کرتی بلکہ وہ ضیاء ہے۔ ضیاء انرجی کی چمک کو کہتے ہیں۔ یعنی ایک طاقتور چیز جو آ رہی ہے اس میں جو چمک ہے وہ ضیاء کہلائے گی۔ جیسے آپ لوہے کو سرخ کر دیتے ہیں تو سرخ لوہا اندھیرے میں

بھی رہے گا تو روشنی ہو جائے گی لیکن بنیادی طور پر وہ روشنی نہیں ہے وہ ایک سالڈ (ٹھوس) دھات ہے۔ جس سے آپ کچھ چیزیں بنا سکتے ہیں۔ تو قرآن حکیم نے اس وقت بتایا کہ اللہ وہ ہے جس نے سورج کو ضیاء بنایا یعنی انرجی بنایا۔

وَالْقَمَرَ نُوْرًا۔ اور چاند کی روشنی کو روشن کرنے والا بنایا ہے۔ چاند سے جو روشنی آتی ہے اس میں انرجی نہیں ہوتی۔ چاند سے جو روشنی آتی ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ بلب سے روشنی لیتے ہیں لیکن بلبل کے پیچھے جو بجلی آ رہی ہے اس میں صرف روشنی ہی نہیں وہ انرجی بھی ہے۔ اگر تار ننگا ہو جائے یا سرخ ہو جائے تو وہ روشنی دے گا لیکن اگر آپ اسے ہاتھ لگا کر دیکھیں تو اس میں طاقت بھی ہے۔ لائٹ اینڈ انرجی کا کنسپٹ (نظریہ) جو آج آ کر سائنس نے دریافت کیا وہ چودہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اللہ کے قرآن نے مسلمانوں کو دیا۔ آج جس پراسس کو سمجھ کر سائنس ٹیوب بے بی بنانے پر قادر ہو گئی ہے اور بڑا دعوی کیا جانے لگا کہ جناب ٹیوب بے بی بن گیا اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سائنس جس نسبت یا جس ریشو کو یا جن دو چیزوں کے دو جراثیم کے ملنے کو جانچ سکی وہ جراثیم بنانا یا ان جراثیم میں ملنے کے بعد بچہ بننے کی خصوصیت پیدا کرنا سائنس کے بس کی بات نہیں۔ یعنی وہ جرثومہ قدرتی ہی بنے گا۔ سائنس صرف قدرتی طریقے سے نہ سہی مصنوعی طریقے سے ان دو جرمز کو ملانے کا اصول جان گئی۔ جو فطری طور پر مل جاتے ہیں اور اس کے بعد ان کی پرورش بھی ٹیوب میں نہ ہو سکی۔ انہیں پلنے کے لئے پھر شکم مادر کی ضرورت ہی پیش آئی۔ سائنس اس کا متبادل نہ بنا سکی۔ پھر جو طریقہ سائنس نے آج دریافت کیا ہے آج سے چودہ سو سال پہلے جب کوئی ایکسرے مشین نہیں تھی جب کوئی سائنٹفک تجزیہ نہیں تھا قرآن نے بتایا کہ پانی کے ایک قطرے سے خون کی پھٹکی بنتی ہے' خون سے گوشت بنتا ہے' گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں پھر ان پر کھال چڑھائی جاتی ہے اس کے بعد ان میں روح پیدا ہوتی ہے۔ جو پراسس قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے بتایا آج اس بیسویں صدی میں یا اس پندرھویں صدی ہجری میں آ کر سائنس تک پہنچی تو چاہئے یہ تھا' حق تو یہ تھا۔

کہ مسلمان اسلام کی حقانیت پہ فخر کرتے اور ہمیں اس بات پہ فخر ہوتا کہ یہ جو حقائق آج کا سائنس دان بتا رہا ہے اسلام نے' قرآن نے' نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ صدیاں پہلے بتا دیئے جو لوگ عقل انسانی کے مطابق بھی بات نہیں کرتے' ایک عام عقل کے نزدیک بھی جن کے باطل عقائد مار کھا جاتے ہیں وہ فخر کرتے ہیں اور ہم اس کے مقابلے میں کمزور ہیں۔ ہمارا مولوی اس بات پہ بیٹھا ہے کہ ٹی وی دیکھنا حرام ہے میں اگلے دن ایک امریکن اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس میں قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بارے تھا (میرے پاس شاید پڑا ہو گا) قادیانیوں نے ایک ٹی وی چینل شروع کیا ہے جو پوری دنیا مین دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی لوگ دیکھتے ہیں کیونکہ آج کل تو سیٹلائٹ سے پروگرام دکھائے جاتے ہیں اس کا نام بھی انہوں نے غالباً" اسلامی ٹیلی ویژن یا کچھ اس طرح کا رکھا ہے۔ یہ یاد رہے کہ قادیانیت دراصل یہودیوں کی خلاف اسلام بنائی ہوئی ایک تحریک ہے جس میں عیسائی بھی یہودیوں کے آلہ کار ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہودی عیسائیوں کے دست نہیں ہیں۔ عیسائیوں کے بھی دشمن ہیں لیکن بڑی ہوشیاری سے عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑاتے ہیں اور خود ایک طرف ہو کر تماشا دیکھتے ہیں۔ عیسائی مرے تو بھی ان کا دشمن مرتا ہے۔ مسلمان مرے تو بھی ان کا دشمن مرتا ہے اور عیسائیوں کے ساتھ بھی یہودیوں نے جو سلوک کیا وہ کچھ یوں ہے کہ یہودی آج بھی خنزیر کا گوشت نہیں کھاتا اور ساری عیسائی دنیا کو خنزیر کھلا دیا ہے' یہودی آج بھی شراب سے پرہیز کرتا ہے اور ساری عیسائی دنیا کو شراب کا رسیہ بنا دیا' یہودی آج بھی اپنی خواتین کی عزت و عصمت کی حفاظت کرتا ہے اور

عیسائیوں کو عزت و عصمت کے تصور ہی سے محروم کر دیا۔ یعنی خود عیسائیوں کے ساتھ جو حشر یہودیوں نے کیا ہے وہ بدترین دشمن بھی نہیں کر سکتا اور عجیب بات ہے کہ عیسائیوں کی کتاب میں بھی خنزیر ویسا ہی حرام ہے جیسا قرآن میں حرام ہے' جیسا یہودیوں کی کتاب میں حرام ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں شراب حرام ہے' خنزیر بھی حرام ہے' تو انہوں نے کمال ہوشیاری سے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑوا دی جب کہ ظہور اسلام کے زمانے میں یہودی اسلام کے سخت مخالف تھے اور عیسائی یہودیوں کے مقابلے میں قریب تر تھے۔

ہماری بدقسمتی یہ کہ ہمارا دینی رہنمائی کرنے والا طبقہ خود کو اتنا دور لے گیا کہ ہم نے سائنس کا فیلڈ غیر مسلموں کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ اصل میں وہ فیلڈ ہمارا تھا۔ میدان ہمارا تھا۔ سائنس کی بات قرآن نے بتائی' نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے بتائی۔ آج بھی دنیا میں جو سائنس دان مسلمان ہیں ان کے پائے کا کوئی سائنسدان پوری دنیائے کفر کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ عقل انسانی کو ایمان سے جو روشنی ملتی ہے اور جو بات مومن سمجھ سکتا ہے وہ کافر کو سمجھنے میں بہت دیر لگتی ہے خواہ وہ میڈیکل سائنس ہو' موسٹ ماڈرن ٹیکنالوجی کی بات ہو' کسی شعبہ زندگی کی بات ہو دنیوی امور میں بھی ایک مسلمان جو بات سمجھنے کے لئے چند گھنٹے لیتا ہے کافر کو سمجھنے کے لئے چند مہینے چاہئیں۔ میں قادیانیوں کا انٹرویو پڑھ رہا تھا تو وہ کہنے لگے کہ کسی کو پسند آئے یا نہ آئے لیکن آج ہم اس ٹی وی چینل کی بدولت ہر شخص کے گھر کے اندر موجود ہیں جہاں اس کے بچے بچیاں' بیوی' بہو بیٹیاں بیٹھی ہیں وہاں ہم بھی بات کر رہے ہیں۔ ہمارا چینل وہاں پہنچ رہا ہے۔ بڑی غضب کی بات کی اس نے۔ اس کا وہ انگریزی جملہ اس طرح تھا

We are in every bed room.

یعنی ہر گھر کے انتہائی اندر کے کمرے تک ہماری رسائی ہو گئی ہے۔

اے کاش ہم سائنس سے ڈرنے کی بجائے اسے اپناتے۔ اگر ٹیلی ویژن بے حیائی پھیلا رہا ہے تو ہم اپنا ٹیلی ویژن چینل شروع کرتے جو بے حیائی کے خلاف جہاد کرتا' جو اسلامی اقدار کی بات کرتا' جو اسلامی انصاف کی بات کرتا' اسلامی علم کی بات کرتا' اسلامی عقائد و نظریات کی بات کرتا' اسلامی تعلیمات کی بات کرتا' اب فتوی لگانے سے وہ ایجاد رک تو نہ جائے گی لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم جدید ایجادات سے فائدہ لینے کی بجائے اس کے خلاف بولنے لگتے ہیں جب کہ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن نے جو بتایا فرمایا۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ یہ شب و روز کا آنا جانا یہ محض اندھیرا اجالا نہیں ہے یہ ایک فیکٹر ہے' یہ ایک سبب ہے' وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ رات دن کا آنا جانا جو ہے یہ ارض و سما کی تخلیق کا سبب ہے کچھ چیزیں دن کی روشنی' سورج کی گرمی سے نمو پاتی ہیں اور کچھ چیزیں رات کی خاموشی اور تاریکی میں اپنی تکمیل کرتی ہیں وہ بنیادی کلئے جن کی بناء پر سائنس نے آج' پندرہ سو سال بعد اپنی بنیاد رکھی وہ قرآن نے اس وقت بتا دیئے۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ۔ ایسے لوگ جن کے دل میں تقویٰ ہو' ان کے لئے ان میں بے شمار دلائل ہیں' بے شمار ایجادات ہیں۔ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جتنی تخلیق آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس ساری کا مدار موسموں کے تغیر و تبدل اور رات اور دن کی آمد و شد پر ہے اور آپ دیکھ لیں سائنس کے جتنے کلئے' جتنی ایجادات ہیں ان کی بنیاد دو باتوں پہ ہے۔ ایک انرجی و طاقت پہ اور دوسری روشنی اور لائیٹ۔ کہیں موسموں کا تغیر و تبدل ہو گا۔ کہاں کتنے درجے سنٹی گریڈ گرمی چاہئے کہاں کتنے درجے سنٹی گریڈ سردی چاہئے۔ کس طرح کا ماحول چاہئے؟ یا اسے کس طرح کی آسودگی چاہئے؟ یا

اسے کتنی پاور اور انرجی چاہئے؟ یہ دو باتیں ہیں جنہوں نے پوری سائنسی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا اور قرآن نے آج سے پندرہ سو سال پہلے بتا دیا کہ لوگو! یہ تماشہ نہیں ہے۔ رات دن کا آنا جانا' اندھیرے اجالے کا کھیل نہیں ہے بلکہ یہ تخلیق باری کا مبدا ہے' بنیاد ہے۔ انرجی اور پاور' روشنی اور لائیٹ یہی کچھ سلسلہ ہے جو ان ساری ایجادات کی بنیاد ہے۔ کسی کی بقاء کا سبب بن رہا ہے' کسی کی فنا کا سبب بن رہا ہے' کسی کے آنے کا سبب بن رہا ہے۔ کسی کے جانے کا سبب بن رہا ہے۔

تو نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم کائنات ہیں۔ دنیا کے تمام مضامین میں خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو بلکہ زندگی تو ایک چھوٹا سا سٹیج ہے وہ تو وہ معلم ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے دنیا سے لے کر آخرت تک کے تمام امور کے رشتے اور تانے بانے جوڑ کر بتا دیئے کہ یہ کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا اور اس کا نتیجہ قبر میں یہ ہو گا' حشر میں یہ ہو گا اور آخرت میں اس کے نتیجے میں یہ ظہور پذیر ہو گا۔ اے کاش آج کا مسلمان سائنسی ایجادات سے مرعوب ہو کر مغرب کا غلام ہونے کی بجائے یہ سمجھ جائے کہ یہ ہماری وراثت ہیں جدید علوم ہم خود سیکھتے اپناتے اور پھر اہل مغرب پہ ثابت کرتے کہ یہ ہماری وراثت ہے تم ہمارے خوشہ چین ہو۔ لیکن ہماری مصیبت یہ ہے کہ یا تو ہم سائنس کے راستے سے ہی نہیں گزرتے یا اگر چار حروف کوئی پڑھ لیتا ہے تو وہ اسلام کو چھوڑ دیتا ہے کتنی عجیب بات ہے کہ اگر کوئی سائنسی علوم پڑھ لیتا ہے' جدید علوم پڑھ لیتا ہے تو وہ خود کو اسلام سے الگ کر لیتا ہے' اسلام کی عملی زندگی سے الگ کر لیتا ہے' اپنے آباؤ اجداد سے الگ کر لیتا ہے بلکہ اکثر تو ملک اور قوم کو چھوڑ جاتے ہیں۔ یہاں واپس آنا گوارا نہیں کرتے۔

میرے بھائی آج کی ضرورت ہے۔ کم از کم آنے والی نسل کو اپنے بچوں کو جدید علوم ضرور پڑھاؤ اور ساتھ دین بھی پڑھاؤ۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم کسی کو مسجد بھیجتے ہیں تو اسے مدرسے کا منہ نہیں دیکھنے دیتے اور جو مدرسے جاتا ہے اسے ہم بسم اللہ سکھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ یوں ہماری قوم کا ایک بڑا ٹیلنٹ جدید علوم کی طرف گیا اور وہ دین سے کٹ گیا جو دین کی طرف گئے انہوں نے جدید علوم کو چھوڑ دیا۔ وہ مسلمان' جو مغرب کی تاریکیوں اور جہالت میں علم کی روشنی کو پہنچانے کا سبب تھا آج مغرب کا غلام' محتاج اور مہرہ بنا ہوا نظر آتا ہے۔ دنیوی ذلت یا مصیبت تو گزر جائے گی لیکن اس بات کا محاسبہ میدان حشر میں بھی ہو گا۔ مجھ سے بھی آپ سے بھی' ہم سے بھی پوچھا جائے گا کہ تمہاری زندگی' تمہارا عمل' حلال و حرام' نیک و بد ہونے کے علاوہ بہت سوال یہ بھی ہو گا کہ تمہارے کردار سے کیا دین اسلام کی سربلندی اور عزت ہوتی تھی؟ یا تمہارا کردار دین کی ذلت کا سبب بن گیا تھا؟ ہم سے گناہ نہیں ہوتے۔ ہم میں وہ جرات ہی نہیں ہے کہ ہم نے کسی کے چار پیسے کھا لئے' کسی کو گالی دے دی' کسی کی غیبت کر لی' پیٹھ پیچھے کسی کا شکوہ کر لیا یہ ہمارے شرمندہ شرمند گناہ ہیں۔ جن میں ہم نے ساری عمر ضائع کر دی۔ اس کی رحمت ان چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے نہیں رکے گی اس کی رحمت کا مصدر تو ایک سیل بیاباں کی طرح ہے جو ہمارے ان چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سنگریزوں سے نہیں رکے گا لیکن اگر خطرہ ہے تو اس بات کا ہے اور یہ بات واقعی بڑی خطرناک ہے کہ میرے اور آپ کے زندگی گزارنے کے انداز سے اگر اسلام کی توہین ہو رہی ہے' دین حق کی توہین ہو رہی ہے' دینی عقائد کی توہین ہو رہی ہے تو شاید یہ ایسا بڑا جرم ہے جو آسانی سے معاف نہ ہو گا۔ یہ مت سمجھئے کہ ہمیں زندگی گزارنا ہے' مر جانا ہے' نہیں۔ زندگی ذمہ داری سے گزارنی ہے۔ صرف زندگی نہیں گزارنی کہ ہر بندہ کہہ دیتا ہے جی ایک دن گزر گیا ہے خیر ہے یہ ایک دن گزارا نہیں ہے بلکہ ایک ایک لمحہ ہمیں اس انداز سے صرف کرنا ہے کہ میرے سبب سے اسلام پر حرف نہ آئے میری وجہ سے مسلمان کا سر نیچا نہ ہو میری وجہ سے کوئی اسلام کو طعنہ نہ دے سکے

اے کاش ہم اپنی یہ ذمہ داری سمجھ جائیں لیکن ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے بھی بے زار ہو چکے ہیں اور میں آپ سے یہ برملا کہتا ہوں اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ انسانی عقول جتنے علوم دریافت کر رہی ہیں ان سب کی بنیاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر ہے۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات معلم کائنات ہے اور سب سائنٹفک ایجادات کی بنیاد بھی کتاب اللہ میں موجود ہے۔ سائنس نے آج دریافت کیا باٹنی کے پروفیسر کہتے ہیں کہ جی ہر پتہ جو ہے ایک کارخانہ ہے' جڑ غذا لیتی ہے اور وہ درخت کے پتے میں پہنچتی ہے۔ پتے میں گرمی ہے' حرارت ہے' آگ ہے' جو اس غذا کو پکا کر اسے واپس کرتی ہے۔ پھر وہ تقسیم ہوتی ہے۔ تنے کا حصہ تنے کو جاتا ہے' چھال کا حصہ چھال کو جاتا ہے' ڈال کا حصہ ڈال کو جاتا ہے اور پھل بننے والے حصے سے جا کر پھل بنتا ہے۔ وہ خام غذا جو جڑ لیتی ہے پہلے پتے میں جا کر پکتی ہے۔ قرآن نے آج سے پندرہ سو سال پہلے فرما دیا تھا۔

وَ جَعَلْنَا مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا۔ ہم نے سرسبز پتوں میں آگ کو چھپا رکھا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہم نہ سمجھنا چاہیں تو یہ ہماری مرضی سائنس کا باٹنی کا شعبہ آج جس بات کی خبر کر رہا ہے۔ وہ بات آج سے چودہ صدیاں پہلے نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ جن سبز پتوں کو تم سبز سمجھ رہے ہو ان میں ہم نے آگ بھی چھپا رکھی ہے۔ یعنی سائنس آج وہ کلئے دریافت کر کے ان پہ فخر کرتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ مسلمان سائنس کے مقابلے میں اسلام کو چھوڑنا چاہ رہا ہے وہ سمجھتا ہے سائنس صحیح کہتی ہے جی اسلام پرانا ہو گیا۔ قدامت پسندی آ گئی اس میں قدیم مذہب ہو گیا۔

میرے بھائی! اسلام اللہ کی بات ہے جو کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ اسلام نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا لایا ہوا دین ہے جو ہمیشہ کے لئے ساری انسانیت کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نہ اسلام کو سمجھ رہے ہیں اور نہ سائنس کو۔ حالانکہ دونوں کو سمجھنا' دین کو' دنیوی علوم کو سمجھنا مسلمان کا حق ہے۔

اللہ کریم ہمیں اس کا شعور عطا فرمائے اور توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی اس کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ پانے کے قابل ہو سکیں۔

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے رفقاء

۱۔ صوفی فتح خاں (مٹھ ٹوانہ) کے والد محترم

۲۔ ملک شوکت علی (گوجرانوالہ) کی اہلیہ محترمہ

۳۔ ماسٹر محمد حسین ولد قائم دین (فیصل آباد)

قضائے الٰہی سے وفات پا چکے ہیں ان کے لئے تمام ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

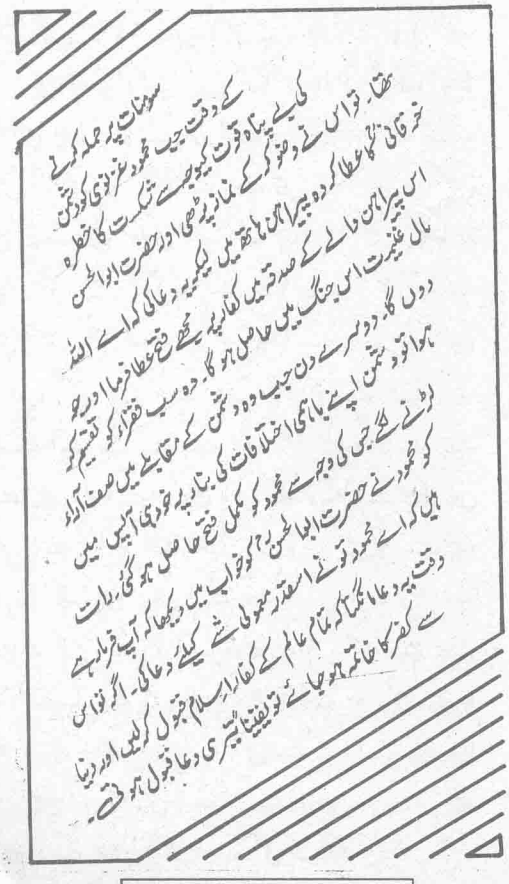

تصوّف

علماء اور پیروں کا رویہ

مولانا محمد اکرم اعوان

صدی کے ایک بہت بڑے محقق نے تصوف کے متعلق لکھا ہے کہ یہ تصوف دور انحطاط کی پیداوار ہے۔ اور یہ جو کچھ کوشش کرتے ہیں اس کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے دیدار کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ جو کبھی نہیں ہوتا۔ کبھی یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملاقات کے لئے محنت کر رہے ہیں جو کبھی نہیں ہوتی۔ کبھی یہ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ہم کوئی روحانی منازل طے کر رہے ہیں جو کسی کو نظر نہیں آتیں اور جن کا کوئی اثر دیکھنے میں نہیں آتا اور اسی طرح سے یہ لوگ عمریں ضائع کر دیتے ہیں۔

میں جن کی بات کر رہا ہوں وہ اپنے عصر کے بہت بڑے مشہور انسان گزرے ہیں۔ بڑی تحقیقات ہیں ان کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہر مولوی کا ایک عجیب مسئلہ ہے ہر مولوی ایک عجیب وہم میں مبتلا ہے۔ کوئی مولوی جب تک ڈرائیونگ نہیں سیکھتا اسے یہ وہم نہیں گزرتا کہ وہ ڈرائیور ہے اور کبھی وہ یہ دعوی نہیں کرتا کہ وہ ڈرائیونگ جانتا ہے۔ گاڑی چلانا جانتا ہے اور اسے وہ اپنی شان کے خلاف بھی نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھتا ہے جب میں نے سیکھا ہی نہیں تو دعوی کیسا۔ کوئی مولوی جب تک جوتا بنانا نہیں سیکھتا وہ کبھی یہ دعوی نہیں کرتا کہ اسے جوتا بنانے کا ہنر آتا ہے اور کبھی نہیں کہتا کہ وہ ہر فن جانتا ہے آپ دور مت جایئے آپ کسی بڑے سے بڑے عالم کو لے آیئے اور بھیڑوں کے ایک گلے سے اسے ایک بھیڑ علیحدہ کر کے دیجئے کہ اسے پہچان لو اسے دو دن پاس رکھ لو پھر اسے گلے میں ملا دو اور اسے کہو کہ اسے تلاش کرو تو وہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن وہ دو گلہ بان یہاں بیٹھے ہوئے کسی ایک بھیڑ کے بارے بات کریں گے تو ایک دوسرے کو سمجھا رہے ہوں گے کہ تمہارے گلے میں فلاں بھیڑ جو ہے وہ زخمی ہے یا فلاں کا میرے ساتھ سودا کر لو اس کے میں اتنے پیسے دیتا ہوں اور عین اسی بھیڑ کی بات کر رہے ہوں گے دونوں سمجھ رہے ہوں گے یہاں بیٹھے ہوئے بھی کہ گلے کی فلاں بھیڑ کی بات ہو رہی ہے اور اس میں مولوی کی کوئی توہین نہیں ہوتی کیونکہ مولوی گلہ بان نہیں ہے۔ وہ بھی اگر دو چار سال بھیڑیں چرانے میں گزارے تو اسے بھی شناخت ہو جائے گی وہ چونکہ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتے ہیں اس لئے انہیں شناخت ہو جاتی ہے ہمیں سب ایک جیسی نظر آتی ہیں ہم نہیں پہچان سکتے انہیں۔

لیکن جب تصوف کی بات آتی ہے تو کوئی مولوی نہیں سیکھتا اور ہر مولوی اس پر فتوی دیتا ہے یعنی بہت کم مولوی عصر حاضر کے ہیں۔ **اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہُ** اس رستے سے نہیں گزرتے ساری عمر کسی صوفی کی خدمت میں نہیں جاتے کبھی اس کو سیکھتے نہیں اور اس کے خلاف فتوی دینے

کے لئے اور اس کے خلاف فیصلہ دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ دراصل انہیں غلطی ہی یہاں لگتی ہے کہ تصوف چیز کیا ہے؟ یہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔ انہوں نے دین کو صرف چند الفاظ کا مجموعہ سمجھا ہے دین اگر الفاظ کا مجموعہ ہوتا تو یہ سارا کچھ انسانی ذہن پہ نازل ہوتا۔ دین الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ ہر لفظ کے ساتھ کیفیت ہے اسی لئے دین کا نزول ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا اور دین میں داخلے کے لئے تصدیق قلبی کی ضرورت ہے۔ صرف الفاظ کی نہیں۔ کوئی ساری زندگی زباں سے تصدیق کرتا رہے اس کا دل تصدیق نہ کرے مردم شماری میں تو مسلمان شمار ہو گا اللہ کے نزدیک نہیں۔ اس کی بنیاد ہی کیفیات قلب پر ہے پھر ان الفاظ میں جتنے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں خواہ وہ قرآن ہے خواہ وہ حدیث ہے ان اعمال میں جتنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں ان سب میں ایک خاص نور ہے۔ نور برکات نبوت۔ جب تک وہ نور دل میں نہیں آتا دل کی وہ کیفیات نہیں بنتیں۔ الفاظ محض ایک کھلونا ہوتے ہیں الفاظ انسانوں کو تبدیل نہیں کرتے اور خود الفاظ مولوی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے آج تک خود مولوی جو ساری عمر وعظ کہتا ہے وہ اپنا عمل اپنے ہی وعظ کے خلاف کرتا ہے۔

ہر سال حج کرنے والے ساری عمر اپنے اعمال کی اصلاح نہیں کرتے وہ حج جو زندگی میں ایک بار فرض ہے یہ ہر سال کر کے بھی سدھرتے نہیں۔

تصوف ان انوارات کا نام ہے اس روشنی کا نام ہے ان کیفیات کا نام ہے جو ان الفاظ کے ساتھ دل میں سرایت کرتے ہیں اب رہی یہ بات کہ صوفیوں نے کیا کیا۔ تو سب سے پہلے صوفی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے کون سا کمال ہے جو صحابہ نے نہیں کیا۔ سارے تابعین اور تبع تابعین، سارے کے سارے من حیث القوم صوفی تھے یہ تین طبقے تو منور القلوب تھے کون سا کمال ہے دنیا کا جو انہوں نے انجام نہیں دیا۔ اس کے بعد آپ ائمہ تفسیر کو دیکھیں ان میں کون صوفی نہیں ہے۔ ائمہ حدیث کو دیکھیں ان میں کون کون صوفی نہیں ہے ائمہ فقہ کو دیکھیں ان میں کون کون صوفی نہیں ہے۔ پہلے یہ فہرست بنائیں اور پھر یہ دیکھیں کہ جو محدودے چند صوفی نہیں ہیں باوجود فقیہہ محدث مفسر ہونے کے گمراہ ہو کر مرے ہیں۔ کوئی معتزلہ ہو کر مرا ہے۔ کوئی انکار حدیث کے فتنے میں گرفتار ہوا ہے اور کوئی تحریف قرآن کے سلسلے میں گرفتار ہوا ہے۔ اسلام کی بنیاد میں جتنی جماعت مفسرین کی ہے محدثین کی ہے فقہاء کی ہے ساری کی ساری صوفیوی ہے اور سارے کے سارے منور القلوب لوگ تھے سب نے بزرگوں کی مجلس میں بیٹھ کر نہ صرف الفاظ پڑھے بلکہ کیفیات اخذ کیں۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے فقیہہ آپ کی طرح ذکر کے لئے وقت نہیں نکالا کرتے تھے بلکہ ساری ساری رات کھڑے ہو کر مراقبات کیا کرتے تھے کیونکہ بیٹھنے سے نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے آجکل بھلا ایسے صوفی کوئی نظر آتے ہیں؟ میں نے آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح میں پڑھا ہے۔ گرمیاں تھیں اور لوگ چھتوں پر سوتے تھے تو حضرت امام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا جب تو کسی بچے نے باپ سے پوچھا ابو اس پڑوس کے صحن میں جو ایک ستون جیسا تھا وہ انہوں نے کیا اب اکھیڑ لیا اب تو نظر نہیں آتا یعنی وہ جب کبھی سونے کے لئے چھت پر آتے تھے تب تک وہ جائے نماز پر کھڑے ہو چکے ہوتے تھے اور بچے اٹھ کر چلے جاتے تب بھی وہ کھڑے رہتے۔

اب بھلا یہ کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ اس سرزمین پر جس میں تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ رہے ہو اسی میں تو اکبر نے بادشاہ کو سجدہ کرنا لازم قرار دے دیا تھا جو بادشاہ کو سجدہ نہیں کرتا تھا اس کا سر کاٹ دیا جاتا تھا اور بے شمار مولوی سجدہ کرتے تھے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک صوفی تھا کھدر پوش۔ اب اگر اس ملک کا مولوی کہتا ہے کہ صوفی نکمے ہوتے ہیں

و کیا وہ یہ بتا سکتا ہے کہ اسی ملک اسی برصغیر کی تاریخ میں مولوی نے کیا مقابلہ کیا تھا اس تاریخی ظلم کا جو ایک برائے نام مسلمان نے جو عملاً" کافر' عقیدتاً" کافر تھا اور جس نے ایک نیا کفر دین الٰہی کے نام سے رائج کیا۔ جو سارے مذاہب کا ملغوبہ تھا اور فیضی برادران نے جس کے لئے قرآن کی تفسیر لکھی جو ایک بے نقط تفسیر تھی اور مولوی ابھی تک اس تفسیر کو سر پر اٹھائے پھرتے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی سوانح میں موجود ہے کہ وہ ایسے بدکار تھے کہ غسل جنابت تک نہیں کرتے تھے اور جنبی حالت میں تفسیر لکھتے تھے اور ان بے ایمانوں نے کتے پال رکھے تھے اور قرآن کے اوراق پر جو تفسیر وہ لکھتے تھے ان اوراق پر کتے پھرا کرتے تھے۔ ایسے شخص نے تفسیر کیا لکھی ہو گی۔ انہوں نے ہی یہ دین الٰہی ایجاد کرایا۔ اکبر تو بالکل ان پڑھ آدمی تھا نام تک لکھنا نہیں جانتا تھا بے ایمان چالیس سال سے زیادہ حکمران رہا' برصغیر پر۔ اس نے بادشاہ کو سجدہ لازمی قرار دے دیا تھا اور بادشاہ کو اللہ کا نائب قرار دے دیا تھا۔ دین الٰہی کے نام سے آگ کی پرستش جاری کرا دی تھی۔ سورج کی پوجا ہوتی تھی آگ کی پوجا ہوتی تھی اور بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا یہی سجدہ جہانگیر کو کیا جاتا تھا جس کے مقابلے میں صرف ایک شخص نے آواز بلند کی اور وہ تھے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جنہیں آخر بادشاہ تک کا مقابلہ کرنا پڑا۔ قید کاٹنی پڑی جیل کاٹنی پڑی لیکن اس مرد درویش نے صاف کہہ دیا کہ اسلام صرف اللہ کے لئے سجدہ روا رکھتا ہے تم ہمارے جیسے انسان ہو اور بالآخر بادشاہ کو بھی توبہ کرتے بنی۔

اگر آپ تاریخ اسلام کو دیکھیں تو تاتاریوں کا سیلاب ایک سیل بلا تھا جس نے بڑے بڑے مولوی بڑے بڑے صاحب زادے بڑے بڑے پیر بڑے بڑے نام نہاد گدی نشین ایک لاکھ چوبیس ہزار نامور علماء اور پیر ایسے تھے جو تاتاری حکمران کے دربار میں لا کر قتل کئے گئے اور مسلمان ریاستوں کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی اس کا تختہ الٹ دیا تھا۔ خواجہ محمد دربندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک صوفی تھے جنہوں نے ہلاکو کو بھی کلمہ پڑھا دیا اور تاتاریوں کی کایا بدل گئی اور وہاں سے انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا جس کے بارے علامہ اقبال نے بھی اشارہ کیا ہے کہ

مل گئے پاسباں کعبے کو صنم خانے سے

یعنی تاتاری جو اسلام کو مٹانے نکلے تھے وہ مسلمان ہو کر اسلام کے پاسبان اور کعبے کے پاسبان بن گئے۔

اب ان سارے تاریخی حقائق کے باوجود پھر یہ کہنا کہ کوئی اس کا نشان نظر نہیں آتا تو ذرہ ان مولویوں کی کارکردگی بھی دکھایئے جن کے قلوب روشن نہیں تھے جو کسی شیخ کی خدمت میں نہیں بیٹھ سکے تو سوائے دین بیچنے کے انہوں نے آج تک کیا کیا ہے اس ملک میں مولوی کی کمی نہیں ہے۔ ایسے بے شمار پیر ہیں جو صوفی نہیں ہیں جنہوں نے تصوف کے نام پر اپنی دکانیں چمکا رکھی ہیں لیکن جن کی طالب دنیا ہے جو صرف پیسہ لینا چاہتے ہیں جو صرف اقتدار چاہتے ہیں جنہوں نے لوگوں کو پھانس رکھا ہے آج بھی اگر یہ قوم کے اعصاب سے اتر جائیں انہیں خدا کا خوف ہو اور یہ آج بھی لوگوں کو یکجا ہونے دیں آج کے مولوی اگر اللہ کے نام پر متحد ہو جائیں تو یہ ملک آج بھی مسلمانوں کا ہے اور اس میں اکثریت شرفاء کی ہے لیکن پیروں اور مولویوں نے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا ہے انہیں اکٹھا نہیں ہونے دیتے اور طنز کرتے ہیں ان لوگوں پر جن کا جینا مرنا سونا جاگنا' اٹھنا بیٹھنا اللہ کے لئے ہے جنہیں نہ کسی سلطان کی پرواہ ہے نہ دنیوی حکمرانوں کی ضرورت ہے جنہیں آپ ساری دنیا لا کر دے دیں اسے کوئی مسرت نہیں۔ جن کے تن کے کپڑے ہی چلے جائیں تو ان کو کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ جن کا محض زندہ رہنا اللہ کے ساتھ تعلق کے لئے ہے اور انہیں کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ اتنی واضح اتنی موٹی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اسے سوائے اللہ کی مرضی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

رب جلیل نے دین اور دین دار کو دین بچانے کا جو حکم دیا ہے دین کی اہمیت جو ارشاد فرمائی ہے وہ حقیقتاً

کیفیات ہی کا نام ہے فرمایا۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ اے مخاطب جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو میرے احکام کا مذاق اڑاتے ہیں مذاق دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو ہوتا ہے تمسخر اڑانا اسے استہزاء کہتے ہیں جو یہاں نہیں ہے یہاں ہے **یَخُوْضُوْنَ خِضَاْءَ** ہوتا ہے دھوکا دینا بدل دینا بات اور ہو اس کا کچھ اور بنا دینا جیسے دین کو رواج میں تبدیل کر دیا۔ بات اپنی طرف سے کہی اور کہا یہ بھی ثواب ہے' یہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح کرنا بھی عبادت ہے۔ فرمایا جب لوگوں کو اس حال میں دیکھے کہ وہ اپنی رسومات اپنی ایجاد کردہ باتوں کو میرے دین پر میرے احکام پر زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ **فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ** تو کم از کم یہ ہے کہ ان سے الگ ہو جا۔ اگر تمہیں ان سے کچھ کام بھی ہے اگر تمہیں ان سے کچھ لین دین بھی ہے تمہیں ان سے کوئی بات بھی کرنی ہے تو تب تک انہیں چھوڑ دو۔

حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ جب تک وہ اس کام کو ختم نہیں کر لیتے۔ کسی اور کام میں مصروف نہیں ہو جاتے اس لئے کہ جب تک وہ غیر دین کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہیں گے تب تک ایک خاص قسم کی ظلمت ایک خاص قسم کی تاریکی ایک خاص قسم کی نحوست برستی رہے گی اور جو بھی اس حلقہ اثر میں جائے گا۔ اس کے قلب پر وہ اثر کر لے گی اور وہ کیفیات ایک ماننے والے کے دل کو بھی مکدر کر دیں گی سو اللہ کریم نے فرمایا کہ جو لوگ میرے دین کا مذاق اڑاتے ہیں یا اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر انہیں دین بنا لیتے ہیں اور انہیں دین کی حیثیت دے دیتے ہیں میرے احکام کو پامال کرتے ہیں ان سے الگ ہو جاؤ تاوقتیکہ وہ ایسی حالت میں نہ ہوں کسی دنیاوی کام میں مصروف ہوں پھر ان سے مل کر اپنی بات کر لیں۔

وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ اور اگر کبھی شیطان تجھے یہ بات بھلا دے اور تو ان کے پاس بیٹھ جائے اور تو کسی کام سے پاس جائے تجھے یہ بات یاد نہ رہے۔

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اگر یاد آ جائے تو پھر ایسے بدکاروں کے پاس کبھی نہ بیٹھ فوراً اٹھ کر چلے جایئے۔

اب دیکھئے دین اگر محض الفاظ کا نام ہوتا تو کسی کے ملنے سے دین خراب نہ ہوتا کسی کے پاس بیٹھنے سے دین متاثر نہ ہوتا کسی کو دیکھنے سے متاثر نہ ہوتا لیکن یہ نام ہی کیفیات قلبی کا ہے جو مجلس سے تعلق رکھتی ہیں اگر آپ نیک اور صالح مجلس میں بیٹھیں گے جہاں اللہ کا ذکر ہے اللہ کی یاد ہے اللہ کی اطاعت ہے تو وہاں نور برسے گا وہ نورانیت آپ کے دل پر بھی اثر کرے گی اور وہ کیفیات بھی پیدا ہوں گی۔ لیکن اگر آپ کسی ایسی محفل میں بیٹھیں گے جہاں برائی ہو رہی ہے بدکاری ہو رہی ہے یا پھر رسومات کو دین کے نام پر رائج کیا جا رہا ہے تو جو ظلمت جو تاریکی اور جو وبا وہاں پڑے گی وہ آپ کے دل کو بھی متاثر کرے گی فرمایا جو لوگ تقوی اختیار کرتے ہیں اللہ سے حیا کرتے ہیں۔

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ یہ تو پکی بات ہے کہ انہیں بدکاروں کا حساب نہیں دینا یہ ذمہ دار نہیں ہے کہ وہ بدکاری کیوں کر رہے ہیں لیکن تقوی اختیار کرنے کے لئے بھی **وَلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ** تقوی اختیار کرنے کے لئے بھی یاد الٰہی کی ضرورت ہے۔ غافل کبھی متقی نہیں ہوتا۔

وَلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ یاد الٰہی کی چبھن دل کو تڑپاتی رہے تب تقوی قائم رہتا ہے اگر دل پہ غفلت آ جائے تو آدمی متقی نہیں رہتا

جنہوں نے دین کو کھیل کود بنا لیا ہے رسومات کو مذہب بنا لیا ہے پٹاخے چلانے کو دین سمجھ لیا ہے اور مشعلیں جلانے کو دین سمجھ لیا ہے یا حلوہ پکایا کھا لیا چاول پکائے کھا لئے اور دین ہو گیا۔ ختم کرایا دیگیں پکائیں کھایا پیا عیش کیا یہ دین سمجھ لیا قبروں پہ چڑھاوے چڑھائے مرد عورتیں اکٹھی ہو گئیں۔ سب نے عیش کی اسے دین بھی سمجھا اسے ثواب بھی سمجھا فرمایا ان سے الگ ہو جاؤ۔ **وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا**

دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَ لَهْوًا۔ جن لوگوں نے خرافات کو کھیل کود کو دین سمجھ رکھا ہے ان سے الگ ہو جاؤ۔ وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یا انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا۔ اللہ کریم کا ایک نظام ہے وہ صحت بھی دیتا ہے رزق بھی دیتا ہے اولاد بھی دیتا ہے اپنے اپنے وقت پہ ہر نعمت ملتی ہے اور یہ بدکار یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ان رسومات کی وجہ سے ہمیں صحت مل رہی ہے یا ان رسومات پر عمل کرنے سے شاید ہمیں دولت مل گئی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تو رب جلیل کا ایک نظام ہے تم نیکی کرو یا برائی یہ تو چل رہا ہے لیکن ایک وقت آ رہا ہے۔

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ۔ ایک وقت آ رہا ہے انہیں یاد دلاتے رہو جب کبھی ان سے آمنا سامنا ہو جب کبھی ان سے ملنا ہو تو یاد کرتے رہو خود بھی لوگوں کو بھی یہ بتاتے رہو۔ ذکر بہ۔ اس کو دہراتے رہو بات کو یاد کرتے رہو اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ۔ ہر متنفس اپنے عمل کا قیدی ہے اپنے عمل میں وہ رہن ہے اپنے عمل میں وہ بندھا ہوا ہے اپنے عمل سے بھاگ نہیں سکتا۔

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ۔ اور اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کے مقابلے میں نہ اس کا کوئی دوست ثابت ہو گا جو زبردستی اللہ کو روک دے نہ کوئی ایسا سفارش اسے ملے گا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی نافرمانی کی سفارشی ہو کہ اس نے نافرمانی کی ہے اچھا کیا ہے کوئی سفارشی نہیں ملے گا۔ اللہ کے مقابلے میں کوئی دوست نہیں ملے گا۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا۔ فرمایا اگر اس ایک آدمی کے پاس ساری کائنات کی نعمتیں جمع ہو جائیں اور اپنے اس جرم نافرمانی کے بدلے عرصہ محشر میں وہ چاہے کہ رب جلیل یہ ساری بدلے میں لے لے مجھے چھوڑ دے فرمایا میں نہیں لوں گا۔ کوئی بدلا نہیں لوں گا۔ سزا دی جائے گی۔ چونکہ وہ نعمتیں بھی تو میری ہیں بدلے میں تو کوئی خود پیدا کر کے دے اپنی طرف سے تو کوئی کچھ بھی نہیں رکھتا بدلہ کہاں سے دے گا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کے قیدی ہیں۔ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ ایسے لوگوں کو کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور درد ناک عذاب ہوں گے اس کفر کے بدلے میں دنیا میں اس ناشکری کے بدلے میں جو دنیا میں وہ کرتے رہے تو میرے بھائی بڑی سادہ صاف اور سیدھی سی بات ہے کہ اسلام نام ہی اس نور ان کیفیات اس روشنی کا ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے تقسیم ہو کر مومن کے دل کو پہنچتی ہیں شیخ استاد پیر مولوی جو بھی آپ کہہ لیں وہی شخص کہلانے کا مستحق ہے جس کے سینے میں یہ نور ہو اور ہم تک پہنچا سکے اور اگر یہ نور رائی برابر بھی نصیب ہو جائے تو دنیا کی ساری دولت سے بہت زیادہ قیمتی ہے اور یہ دنیا سے دور نہیں کرتا بلکہ یہ روشنی دل میں پیدا کر کے دنیوی زندگی میں حق پر قائم رہنا اور باطل کا مقابلہ کرنے کی جرات پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کریم دل کو یہ توفیق دے دیتے ہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخاری شریف میں ایک حدیث ہے

"کہ صالحین کی محفل عطار کی دکان ہوتی ہے عطر فروش کے پاس بیٹھیں ممکن ہے کوئی عطر خرید لیں گے۔ آپ خریدیں گے نہیں تو ممکن ہے وہ نمونے کے طور پر کچھ روئی پر لگا کر آپ کو دے دے ایسا بھی نہیں کرے گا تو جتنی دیر آپ وہاں بیٹھے رہیں گے اتنی دیر تو دماغ معطر رہے گا۔ فرمایا صالحین کی محفل عطر فروش کی دکان ہے۔ فائدہ ہی فائدہ اٹھائیں۔ لیکن بدکار کی محفل فرمایا لوہار کی بھٹی ہے عین ممکن ہے لوہے کا کوئی گرم ٹکڑا اٹھ کر آپ کو زخمی کر دے یا آپ کے کپڑے جلا دے یا آگ کی چنگاڑی اڑ کر اوپر پڑ جائے اگر ایسا بھی نہ ہو تو جتنی دیر بیٹھے رہیں گے آگ کی تپش اور دھواں آپ کو تنگ کرتا ہی رہے گا۔"

اس آیت کریمہ میں اسی بات پر متنبہ فرمایا گیا کہ

اسلام محض لفظوں کا کھیل نہیں ہے یہ دل کے حال کا نام ہے یہ دل کی کیفیات کا نام ہے یہ دل کی روشنی کا نام ہے اور اسے بدکاروں کی محفل سے بدکاروں کی نحوست سے بدکاروں کی رسومات میں جو نحوست ہوتی ہے ان کے افعال و کردار میں بھی ہوتی ہے ان سے بچاؤ اور اس وقت ان سے ملاقات کرو جب وہ رسومات میں الجھے ہوئے نہ ہوں اور انہیں اس وقت بھی یہ بات یاد کراتے رہو کہ بالاخر اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے خدا سے ڈرتے رہو کہ ہر آدمی کو اپنے کئے کا جواب دینا جس بات کا اللہ نے حکم نہیں دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرنے کا حکم نہیں دیا اس بات کو اللہ کے ذمے لگانا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے لگانا اس سے بڑا جرم کیا ہو گا۔ اس سے بڑی برائی کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے اللہ کریم ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

بدل اشتراک میں تبدیلی

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی		
سری لنکا۔ بھارت۔ بنگلہ دیش	۴۰۰ " روپے	۴۰۰۰ " روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۹۰ " سعودی ریال	۷۰۰ " سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ " سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ " سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۴۵ " امریکن ڈالر	۳۰۰ " امریکن ڈالر
کینیڈا	۵۰ " امریکن ڈالر	۳۵۰ " امریکن ڈالر

کیا آپ ماہنامہ المرشد باقاعدگی سے پڑھتے ہیں

المرشد باطنی اصلاح کیلئے گھر کے ہر فرد کے پڑھنے کیلئے ہے، المرشد صحت مند سوچ و فکر کی زندہ علامت ہے

صرف /۱۶۵ روپے میں ۱۲۔ شمارے بمعہ ڈاک خرچ

ادارہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور

حضرت مجدد الف ثانیؒ

کی ملّی و دینی خدمات

پروفیسر محمد عارف اظہر

حضرت امام غوث اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' امام ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' امام بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' کے اسمائے گرامی سے کون شخص واقف نہیں یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام کی ایسے وقت میں حفاظت فرمائی جب اسے اس کی ضرورت تھی۔ انہی مصلحین و مجددین کی صف میں امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے۔ شیخ موصوف نے یہی کام سرزمین پاک و ہند میں سر انجام دیا' انہوں نے ایسے وقت میں اسلام کی سربلندی اور حفاظت کے لئے آواز بلند فرمائی' جب ہندوستان میں اسلام ایک مہیب خطرے سے دوچار تھا۔ مغلیہ دور کے مشہور فرمانروا اکبر نے نیا دین ایجاد کر کے اس کی باقاعدہ تبلیغ شروع کر دی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی غائر نظر سے حالات اور گرد و پیش کا جائزہ لے کر اصلاح و احوال کا کام شروع کیا اور ملک کی مذہبی و معاشرتی حالت کو شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے کوشاں ہوئے آپ نے مسلمانان پاک و ہند کو ایک ہزار سال کا بھولا ہوا درس یاد دلاتے ہوئے ان کی توجہ از سر نو حقیقی اسلام کی طرف مبذول کی۔ آپ نے شاہان وقت کو پند و نصائح سے نوازا اور انہیں شریعت کے نفاذ کی تلقین فرمائی۔ اکبر و جہانگیر جیسے جلیل القدر شہنشاہوں کے سامنے نہایت پامردی اور جرات سے کلمہ حق بلند فرمایا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں' لیکن شریعت اسلامیہ کی اہانت برداشت نہ کر سکے۔ علامہ اقبال ان کی اس دینی عظمت' غیرت اور پامردی کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے یہ گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے کیا جس کو بروقت خبردار

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے محض پاک و ہند کے احوال کی اصلاح اور اس سرزمین میں ترویج و اشاعت شریعت کی کوشش ہی نہیں بلکہ اس مقصد اعلیٰ کی اشاعت انہوں نے دنیا کے دیگر ممالک میں بھی کی اور ایران' بدخشاں اور توران وغیرہ کے ذی اثر افراد کے نام مکتوبات رقم فرمائے' ان کی سمت تبلیغی وفود بھیجے اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جب اس دنیامیں تشریف لائے اس وقت ہندوستان کا فرمانروا اکبر تھا۔ یہ فرمانروا آئین جہانبانی اور انتظام سلطنت میں ملکہ رکھتا تھا لیکن اس نے اپنے مخصوص دائرے سے نکل کر دوسرے دائرہ عمل میں بے جا دخل اندازی کی۔ ۱۵۸۲ء کے

قریب اکبر نے دشمن عناصر اور فلسفہ زدہ طبقے کے اثر سے متحدہ قومیت اور حکومت مضبوط کرنے کی وجہ سے ایک دین ایجاد کیا' جس کا نام دینی الٰہی رکھا اوراس کی ترویج و اشاعت میں لگ گیا۔ صاحب منتخب التواریخ ملا بد ایوانی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ علمائے سو جو اسکی عنایات کے مورد بننے کے لئے ہر بات کر سکتے تھے' وہ ان کی ہمت افزائی کرتا تھا' علمائے سو ہردور میں رہے ہیں' اس نے اپنے گردو پیش ایسے لوگوں کو جمع کر لیا تھا' جو حقیقتاً" وحی اور شرع کے منکر تھے' وحی پر عقیدہ رکھنے کو اندھی تقلید اور اونی ذہنیت بتایا جاتا تھا جو صرف جاہلوں کے مناسب حال ہو' صرف یہی نہیں بلکہ اکبر نے اس سے بھی تجاوز کیا اور علی الاعلان اسلام کی مخالفت شروع کردی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے کا ایک فتنہ علمائے سو تھے' اس دور میں علماء کی کمی نہ تھی' ان میں اکثریت ان کی تھی جو حالات حاضرہ پر نظر نہ رکھتی تھی اور عملی کردار ادا نہیں کر رہی تھی۔ اس کے برعکس علمائے سو کا گروہ بڑا فعال تھا جو بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے بادشاہ کی شان بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کو کتابوں کے شروع میں نہ لکھا جاتا اور اس کی ضرورت بھی محسوس نہ کی جاتی اور اس کی جگہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفتہ اللہ استعمال کیا جاتا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کسی کو جرات نہ تھی۔ اس زمانے کا ایک اور فتنہ عقل اور معقولی علماء کا فتنہ تھا۔ یہ عقل پسند طبقہ ابوالفضل' فیضی اور مبارک پر مشتمل تھا۔ انہوں نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ توحید کے بعد نبوت کی ضرورت نہیں' اگر عقل کے مطابق ہو تو اس کو اپناؤ' اگر عقل کے خلاف ہو تو چھوڑ دو' وہ سیاسی اور عقلی بنیادوں پر مذہب کو پرکھتے تھے۔ اور اگر ان کے معیار کے مطابق ہوتا تو اپناتے اور نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے۔

اس دور میں ایک ضرورت تصوف کی اصلاح تھی' اس دور میں کوئی گمان نہیں کر سکتا کہ بغیر تصوف کے تین سلسلے رائج تھے' سہروردیہ' قادریہ اور چشتیہ اور ہر آدمی کسی نہ کسی سلسلے سے منسلک تھا۔ اکبر کے آخری دور میں ایک بزرگ افغانستان سے تشریف لائے اور نقشبندیہ سلسلہ رائج فرمایا' یوں یہاں چار سلسلے رائج ہوئے۔ تینوں سلسلوں کا فلسفہ وحدت الوجود تھا اور اس فلسفے میں کم علمی اور تصوف سے ناواقفیت کی بناء پر خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ شریعت اور طریقت کی باہمی حدود کی نشاندہی کی ضرورت تھی۔ نقشبندی سلسلہ یہاں رائج ہوا جس میں شریعت کی پابندی سب سے زیادہ تھی اور اسی کی ضرورت تھی کہ کوئی سلسلہ تصوف ایسا رائج ہو جس سے شریعت کی ترویج ہو۔ صرف آفتاب پرستی تک ہی ان کا الحاد محدود نہ تھا' بلکہ تمام ہندوانہ رسوم مذہب میں شامل کر دی گئی تھیں' چنانچہ ملا بد ایوانی فرماتے ہیں۔ "آگ' پانی' درخت' پتھر اور تمام مظاہر فطرت حتی کہ گائے اور گائے کا گوبر پوجا جاتا تھا اور اعلی و ادنی کے رذیل لوگوں نے بادشاہ کے روحانی اتباع کا طوق بھی اپنی گردن میں ڈال لیا تھا۔ بادشاہ قرآن کا منکر ہو گیا۔ حیات بعد الموت اور یوم جزاء کا انکار کرتا تھا' اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے حکم دیا تھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے لا الہ الا اللہ اکبر خلیفتہ اللہ علی الاعلان پڑھا جائے' اس سے فتنہ پیدا ہوا اور اس لئے مصلحت یہ قرار پائی کہ اس کلمے کا استعمال حرم کی چار دیواری میں محدود کر دیا جائے۔ سجدہ جسے اللہ نے صرف اپنے لئے مخصوص کیا ہے' بادشاہ کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ شراب حلال کر دی گئی جذبہ موقوف کر دیا گیا۔ گائے کا گوشت حرام کر دیا گیا۔ صوم و صلوۃ اور حج منسوخ کر دیئے گئے۔ اسلامی کیلنڈر کے بدلے "الٰہی اکبری ماہ و سال" رائج کئے گئے اور کہا گیا کہ ایک ہزار سال گزر جانے کے بعد اب اسلام ختم ہو چکا ہے۔ عربی کے مطالعے کو بنظر تحقیر دیکھا جانے لگا اور اذان اور نماز باجماعت جو اسلام کے حکم کے مطابق پانچ وقت دیوان

حکومت میں ہوتی تھی' موقوف کر دی گئی۔ رسم اور شعائر اسلامی کے مخالف ہر عمل روا رکھا گیا جو معاذ اللہ اسلام کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کی ایک بھونڈی سازش تھی۔ اگرچہ اکبر کے زمانہ میں علماء اور صوفیاء کی بہت کثرت تھی اور اس وقت کے مورخین نے علماء کو جو فہرست دی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے یہ تصوف کا زریں دور تھا' علماء کثیر تعداد میں موجود تھے مگر انہوں نے اکبری الحاد کے خلاف کوشش نہ کی۔

"دوسرا طبقہ جس میں شیخ عبدالحق" محدث دہلوی جیسے علماء تھے یہ سمجھ کر کہ بڑا انتشار کا زمانہ ہے' اس میں بھلائی جانتے تھے کہ گوشہ نشین ہوں' البتہ اکبری دور کے آخر میں آنے والے ایک بزرگ جو دہلی میں مقیم تھے' جن کا اسم گرامی حضرت خواجہ محمد باقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تھا نے اکبری الحاد کے خلاف کوشش کی اور بارسوخ امرا و اعیان سلطنت کو اکٹھا کر کے اکبری الحاد ختم کرنے کا احساس دلایا۔ خواجہ صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو چونکہ زیادہ عرصہ رہنے کا موقع نہ ملا اور وہ صرف پانچ سال تک رہے اور ان کے مرید خاص حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس الحاد کو ختم کرنے کے لئے سعی و جہد شروع فرمائی اور خصوصی طور پر جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد یہ مہم تیز فرمائی اور کسی خطرے کی فکر نہ کرتے ہوئے صعوبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور شریعت اسلامیہ کے تحفظ کے خاطر گوالیار کے قلعے میں بند اور محبوس رہے مگر اپنے موقف سے نہ ہٹے اور ساتھ ہی گوشہ نشین علماء پر واضح کیا کہ سجدہ تعظیمی بجا نہ لا کر اعلائے کلمتہ الحق کو بلند کرنا بہت بڑا جہاد ہے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گوشہ نشین علماء بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بڑے حوصلے سے کرنے لگے اور اس کے نتیجے میں اکبری الحاد کے نشانات مٹ گئے اور یقیناً یہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب کا انتہائی اہم کارنامہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا دوسرا کارنامہ تجدید دین اور احیائے اسلام ہے اس سلسلے میں عقل پسند طبقے نے ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا۔ ابوالفضل' فیضی' مبارک' حسام اور اکبر جیسے لوگ اس میں شامل تھے' اس آزاد خیال طبقے کی رو سے اللہ کی توحید کے بعد نبوت کا اقرار کرنا ضروری نہیں' ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا رواج عام تھا۔ جب مسلمان ایسے ہو گئے تو غیر مسلموں کو اس کا موقع مل گیا کہ اسلام پر سنگین حملے کریں۔ مجد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ضعف اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا تذکرہ مکتوبات شریف میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کفار برملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے دھڑک کوچہ و بازار میں مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں' اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر اعتراض ہوتا ہے" ایک طبقہ جو احکام اسلام کو محض عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی تھا اور شرعی قوانین کی مختلف توجیہات پر اپنا پورا زور صرف کر رہا تھا' ان عقل پرستوں سے متعلق مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ "ان کی عقلیں جن باتوں کو مان لیں یا جن کو دریافت کر سکتی ہوں ان ہی کو یہ مانتے ہیں اور جو باتیں (شریعت) کی ان کی عقل میں نہیں آتیں' انہیں نہیں مانتے۔" اس کے بعد اشاعت و تبلیغ کے لئے جو اہتمام کیا اس کے لئے آپ نے ملک کے کونے کونے میں تربیت یافتہ علماء پھیلا دیئے اور لوگوں پر واضح کیا کہ شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور تحفظ اور اشاعت اصل دین ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ اشاعت اسلام کی جائے' آپ نے نہ صرف مریدین اور علماء کو پھیلایا بلکہ افغانستان اور بدخشاں میں خطوط اور وفود کی صورت میں لوگوں کو بھیجا۔ شریعت کی اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمگیر کو سوائے انتظام اور شریعت کے نفاذ کے کوئی کام نہ تھا جہانگیر آخری سالوں میں شریعت کے نفاذ کی طرف مائل ہو گیا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک بڑا کارنامہ صوفیاء اور علماء کی جماعت کی تیاری ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی

نہیں کر سکتی جب تک کوئی جماعت اس کی تعلیم کو پھیلانے والی نہ ہو' کوئی مذہب زندہ نہ رہ سکتا جب تک اس نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے والی جماعت موجود نہ ہو' تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین کی تعداد نو لاکھ تھی۔ اور پانچ ہزار خلفاء تھے۔ اس مختصر مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ "صاحب زبدۃ المقامات" محمد ہاشم کشمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے چوبیس خلفاء کے حالات وضاحت سے تحریر کئے ہیں ور "تجلیات امام ربانی" کے مولف نے پینتالیس خلفاء کے حالات بالاختصار تحریر کئے ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں سرفہرست آپ کے صاحبزادگان کے اسمائے گرامی آتے ہیں جن کی بدولت برصغیر پاک و ہند اور دنیا کے دیگر علاقوں میں سلسلہ عالیہ کی ترویج و اشاعت ہوئی اگرچہ آپ کے صاحبزادگان کی تعداد سات تھی مگر تین صاحبزادے جناب شیخ محمد فرح رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ محمد عیسیٰ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' اور محمد اشرف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اوائل عمر ہی میں فوت ہو گئے تھے اور آپ کے صاحبزادے حضرت محمد یحییٰ کم عمر تھے آپ کے صاحبزادے جنہوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا وہ حضرت خواجہ محمد صادق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ' حضرت خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ' اور خواجہ محمد معصومؒ تھے۔ نہایت اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ ذیل کی سطور میں پیش خدمت ہے۔ حضرت خواجہ محمد صادق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ' جناب مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے بچپن ہی سے ولایت کے آثار آپ کے چہرے سے ہویدا تھے۔ صغر سنی ہی میں آپ نے منازل سلوک میں وہ کمال حاصل فرما لیا جو کہ بڑے عمر رسیدہ سالکوں کو میسر نہ آ سکے۔ آپ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب کے کمالات ظاہری و باطنی سے مکمل طور پر بہرہ ور تھے۔ علوم عقلیہ اور نقلیہ پر دسترس حاصل تھی' اگرچہ آپ نے چوبیس سال عمر پائی مگر درس و تدریس سے طالبان راہ اسلام کو صراط مستقیم پر گامزن فرماتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اس فرزند ارجمند کی ولالیت سے متعلق رقم طراز ہیں۔

"تذکرہ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق آپ کا وصال سرہند شریف میں عارضہ طاعون سے ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں بروز دو شنبہ واقع ہوا' امام ربانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اپنے بزگوار (برادر) کی طرح تقوی اور ورع اورسلوک میں اعلی استعداد کے حامل تھے۔ ملا طاہر لاہوری جیسے یکتائے روزگار عالم دین سے علوم نقلیہ میں مہارت تامہ حاصل فرمائی اور اٹھارہ سال کی عمر میں معقول و منقول کی کتب کا درس دینے کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔ آپ انتہائی دقیق مسائل کو چند لمحات میں حل فرما کر علمائے وقت کو قوت علیہ سے ورطہ حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ صاحب زبدۃ المقامات اور مکتوبات امام ربانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ میں مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں صاحبزادوں خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے متعلق فرماتے تھے۔

"حق تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان دونوں بھائیوں کو اپنے بڑے بھائی کا قائم مقام بنا دیا۔"

"تجلیات امام ربانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ میں ہوا۔"

جناب مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ استعداد علمی و باطنی میں یکتائے روزگار تھے' آپ کے ہم عصر علماء آپ کی استعداد کے معترف تھے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے علوم و معارف اور اسرار و رموز کے وارث تھے اور والد بزرگوار سے احوال و اسرار میں بہرہ وافر حاصل کیا۔ اور مجدد صاحب نے آپ کو درجہ قطبیت پر فائز فرما دیا۔ حضرت محمد ہاشم

کشمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بشارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان کو صاحب زبدۃ المقامات نقل کرتے ہیں' جس سے خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو ولایت خاصہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار بیان فرمایا گیا۔ "اپنے فرزند محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کیا لکھوں' وہ تو بالذات اس وقت اس دولت یعنی ولایت خاصا محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی صاحبا والتحیتہ کی استعداد رکھتے ہیں۔"

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی وساطت سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو فروغ حاصل ہوا اور آج بھی لاکھوں فرزندان توحید آپ کے وسیلے سے سلسلہ مجددیہ سے منسلک ہیں اور بالواسطہ حضرت مجدد صاحب سے اکتساب فیض کر رہے ہیں۔ جناب خواجہ محمد معصوم نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں وصال فرمایا۔ المختصر جناب مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہ تینوں صاحبزادے منبع فیوض و برکات تھے۔ آج بھی برصغیر پاک و ہند اور دیگر ممالک عالم میں علم و عرفان کے سوتے انہی کے فیوض برکات کا پرتو ہیں' جناب مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزدگان کی استعداد باطنی سے متعلق مرشد پاک حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں۔

جناب مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ "طریقت و حقیقت کو ایک ہی شجر کے برگ و بار تصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ شریعت و طریقت سے سر مو انحراف کو مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ روا نہیں گردانتے اور شریعت کے مخالف استدلال و کشف کو مردود تصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں "طریقت و شریعت ایک دوسرے کا عین اور ان کے درمیان سرمو اختلاف نہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے اور وہ استدلال اور کشف جو شریعت کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔" بعض لوگ شریعت کو محض پوست تصور کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز خیال کرتے ہیں۔ مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایسے افراد کو حقیقت سے بعید خیالات کا حامل گردانتے ہوئے فرماتے ہیں۔ الغرض مجدد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے خام صوفیہ کے تصورات جن میں وہ شریعت اور طریقت کی حدود میں بعد پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے' باطل قرار دیا۔ ان دونوں کو ایک ہی مسلک میں فرمایا اور شریعت سے متعلق جتنے ابہام عوام الناس کے ذہنوں میں ڈال دیئے گئے تھے' ان کو ختم فرما دیا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ان دونوں ستونوں پر استوار فرمائی تاکہ ایوان اسلام میں ذرا برابر کجی کا شائبہ باقی نہ رہے اور یہ آپ کی انتہائی اہم خدمت تھی۔ المختصر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان خدمات کا ثمرہ ہی ہے کہ آپ کے مسلک کی ترویج و اشاعت میں برصغیر پاک و ہند کے اولیائے کرام نے حصہ لیا۔ خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ' حضرت ایشان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ' حضرت سید جماعت علی شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے اولیائے عظام نے ان کے مشن کو جاری رکھا اور بحمد اللہ آج بھی تعلیمات مجددی لوگوں کے زنگ آلود ذہنوں کے لئے صیقل کا سامان فراہم کر رہی ہیں

اپیل

"المرشد" کا پوسٹ کوڈ نمبر 54770 ہے۔ خریداروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ڈاکخانے کا پوسٹ کوڈ نمبر لکھ کر ہمیں بھجوا دیں۔ (شکریہ)

"ماہنامہ المرشد" او۔سیہ سوسائٹی' کالج روڈ' ٹاؤن شپ لاہور۔ 54770

اقتصادی تحقیق

قومی ترقی میں رکاوٹیں

اکبر علی ایم۔ اے

انصاف کا ایک اصول ہے کہ جس کے پاس ہنر ہے اس کو اس ہنر سے فائدہ اٹھانے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس کا غور طلب پہلو یہ ہے کہ ہنر کے ذریعے فائدہ ان لوگوں سے اٹھایا جا سکتا ہے جو بے ہنر ہوں۔ دوسرے لفظوں میں فائدہ دوسروں کے عدم و قوف یا جہالت سے اٹھایا جاتا ہے۔ جاہلوں سے فائدہ اٹھانا ہر ایک کا حق ہے۔ اس لئے ہنر کے ذریعے جہالتوں کا خاتمہ اور ہنر کے ذریعے استحصال کا خاتمہ فرد نہیں' سوسائٹی کی ذمہ داری ہے۔ ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق علم اور ہنر مہیا کرنا' ریاست کی ذمہ داری ہے یہ سماجی انصاف کی بنیادی اینٹ ہے' ورنہ استحصال سٹیٹ میں در آئے گا۔ ریاست ہنر کے فروغ پر سب کچھ قربان کر دے اور ہنر ان قربانیوں کے بدلے اجر عظیم واپس لوٹا دے گا لیکن اگر سٹیٹ کے سٹیرنگ پر بیٹھے حکمران خود عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مقابلہ کر رہے ہوں تو وہ سٹیٹ بیرونی مقابلے سے نہیں بلکہ اندرونی فریب سے ہی تباہ ہو جاتی ہے۔ مملکت پاکستان کی بنیادی پالیسیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو سب پالیسیاں سٹیٹ کرافٹ یعنی ریاست کاری کے جدید فن سے متصادم ہیں' مثلاً" ایک طرف حکمران اعلان کرتے ہیں کہ ملک کو داخلی اور خارجی استحصال سے پاک کیا جائے گا اور دوسری طرف عملاً" ملک کے خام افرادی اور مادی وسائل کو دونوں ہاتھوں باہر پھینکا جا رہا ہے۔ جدید سٹیٹ کرافٹ کا سب سے بنیادی اصول یہ ہے کہ جو مملکت غیر ملکی سرمائے کے بدلے خام وسائل بے دریغ باہر منتقل کرتی ہے وہ مملکت احتیاج میں غرق ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ جاپان کی مثال سامنے ہے کہ وہ دنیا جہان کے خام وسائل کا خریدار ہے لیکن دنیا جہان اس کی مصنوعات اور سرمائے کا خریدار ہے۔ تجارتی منافعوں کے باعث اس کے پاس اتنا وافر سرمایہ ہے کہ سرمائے کی امداد سے وہ دنیا کو اقتصادی کالونیوں میں تبدیل کر رہا ہے۔ پاکستان کی عالمی سفارتکاری اس وقت دو مقاصد پر گھوم رہی ہے۔ غیر ممالک سے جہاں بھی معاہدے ہوتے ہیں ان سے ایک تو سرمایہ کاری طلب کی جاتی ہے' دوسرے اپنی خام لیبر برآمد کرنے کے لئے ویزے طلب کے جاتے ہیں۔ ترقی کا عزم رکھنے والا کوئی بھی ملک اپنی خام لیبر باہر برآمد نہیں کرتا بلکہ ماہرین مہیا کرتا ہے جو بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ پاکستان نے خام لیبر برآمد کر کے جتنا بھی زرمبادلہ کمایا ہے' اس نے ملک کے مالیاتی اور سماجی توازن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ہماری لیبر سرمایہ تو غیر ممالک کے لئے پیدا کرتی ہے لیکن پیسہ ملک میں بھیج دیتی ہے۔ پاکستان میں پیسہ تو آتا ہے لیکن اس پیسے کو سہارا دینے کے لئے پیداوار نہیں ہوتی۔ نتیجہ ننگے افراط زر کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ پیسہ وصول کرنے والے خاندانوں کی

قوت خرید میں غیر متناسب اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کا خرچ کرنے کا لیول ملک کے دوسرے طبقوں سے اونچا ہو جاتا ہے۔ پیسے کے مطابق پیداوار میں توسیع نہیں ہوتی' اس لئے اشیاء کی قیمتیں چڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ جس سے دوسرے طبقات اخراجات زندگی سے مقابلے کے لئے رشوت اور جرائم جیسی بدعتوں کی طرف لڑھک جاتے ہیں۔ پھر خام لیبر کے بدلے حاصل ہونے والے زرمبادلہ سے غیر ملکی مصنوعات کی ادائیگیوں کے بل ادا کئے جاتے ہیں' قرضے ادا کئے جاتے ہیں' تجارتی خسارے پورے کئے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف درآمدات میں اضافہ تجارت کو مزید غیر متوازن کرتا چلا جاتا ہے اور دوسری طرف کنزیو مرازم میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ اقتصادی ڈھانچے کے ساتھ ساتھ ملک کا اخلاقی ڈھانچہ بھی ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ بلا پیداوار کنزیو مرازم کاشتکاروں' ملازموں' مزدوروں اور بے روز گاروں کی بے چینی میں اتنا اضافہ کر دیتا ہے کہ جرائم اور کرپشن پر قابو پانا محال ہو جاتا ہے۔ دوسری جانب غیر ملکی سرمائے کی درآمد ملکی مسائل حل کرنے کی بجائے قرضوں سود' ادائیگیوں کے عدم توازن' بجٹ خساروں' خام وسائل کی باہر منتقلی' تشکیل سرمایہ کے بے اساسی' بچتوں کا فقدان' معیار زندگی میں گراوٹ اور ٹیکنیشن قیمتوں میں اضافہ' قومی خود مختاری کے زوال اور غیر ملکی سرمائے کی آمریت کے مسائل میں سنگینی پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح بے خبری میں استحصال کے دروازے بند ہونے کی بجائے استحصال کے فلڈ گیٹ کھل جاتے ہیں اور سماجی بربادی مقدر بن جاتی ہے۔

قومیتی عصبیتوں' مالیاتی افراتفری' سیاسی ناپائیداری اور سماجی نراجیت سے گھبرا کر سیاست گر حقائق سے فرار کی راہ پراپیگنڈے کے مصنوعی خول میں تلاش کرنے لگتے ہیں' مثلاً" قومیتی عصبیتوں سے فرار کی راہ قومی تشخص مصنوعی طریقوں سے پیدا نہیں ہو سکتا' جس ملک کی پالیسی ہر ملک کے آگے دست سوال پھیلانا ہو' اس کا تشخص خود بخود ایک گداگر قوم کا ابھرتا ہے۔ قومیتی عصبیتوں کی شکار جو قوم لٹھم لٹھ ہو رہی ہو' اس کا قدرتی تشخص ایک بے انفاق قوم کا ابھرتا ہے۔ جہاں عوام کی فریادوں کی کوئی داد رسی نہ ہو' اس کا تشخص مظلوم قوم کا تشخص ابھرتا ہے۔ جہاں کرپشن کا الاؤ بھڑکتا ہی چلا جا رہا ہو وہاں تشخص پر بھی کرپشن کی مہر لگی ہو گی' مینگنیاں کرنے والی کوئی بھیڑ شیر کا تشخص بھی مسلح نہ ہو۔ اس کے دانت اور پنج ٹیسٹ کرنے کے بعد ہر کوئی اس کا شیر والا تشخص تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ تشخص کا انحصار قوم کے سماجی رویوں پر ہوتا ہے' قومی اور بین الاقوامی رویوں پر ہوتا ہے۔

پاکستان میں مارشل لاء والے آتے ہیں تو سیاست دانوں کو کڑوی پھیکی سنواتے آتے ہیں اور جب سیاستدان آتے ہیں تو مارشل لاء والوں پر طعن و تشنیع کے وظیفے کا عمل جاری رکھتے ہیں۔ یہاں جمہوریت اور مارشل لاء کبھی بھی عوام سے مشروط نہیں رہے۔ دونوں نے عوام کو غیر سیاسی اور غیر اقتصادی رکھنے کی یکساں کوشش کی ہے۔ دونوں عالم بالا کی سیاسی تصویر کے دو رخ رہے ہیں۔ عوام کی خاطر جمہوریت یا عوام کی خاطر مارشل لاء صرف عنوان رہے ہیں' اندرونی کہانی میں عوام کی کوئی اہمیت نہیں رہی' عوامی توانائیاں نہ جمہوریت نے آزاد ہونے دیں اور نہ ہی مارشل لاء نے دونوں آٹو کریسی اور شخصی حکمرانی کو مضبوط کرتے رہے۔ ترقی کی منطق نہ جمہوریت نے لاگو کی ہے نہ ہی مارشل لاء نے لاگو ہونے دی ہے۔ سماجی ترقی مادی وسائل کی ترقی سے مشروط ہے۔ جمہوریت کی کوالٹی وسائل کی ترقی کی سطح سے متعین ہوتی ہے۔ جمہوریت کا ارتقاء عوامی صلاحیتوں اور وسائل کے ارتقاء سے مشروط ہے۔ غیر ملکی ذرائع پیداوار کی وکالت کرنے والے قومی پیداوار اور قومی حقوق کے مبلغ نہیں ہو سکتے۔ آئیڈیل جمہوریت آئیڈیل ذرائع پیداوار سے جنم لیتی ہے۔ اس دنیا کی نعمتوں میں اضافہ علم اور ہنر سے ہوا ہے' علم اور ہنر کے فروغ کے بغیر انسانی حقوق کی تکمیل ایک ڈھنگ ہے۔ افرادی صلاحیتوں

اور مادی وسائل کی قومی شادی کے خلاف جمہوری حکمتوں کا امتناعی رول مارشل لاء حکمرانوں سے ذرہ برابر کم نہیں رہا۔ دونوں نے ملک کے خام وسائل ملک سے باہر منتقل کئے اور بدیسی سرمائے کی درآمد کو اپنی حکمرانی کا مساوی تکیہ بنایا۔ دونوں نے قومی سرمائے کی بجائے غیر ملی سرمائے کی خدمت کا مساوی رول ادا کیا ہے۔ دونوں نے قومی احتیاج میں مساوی اضافہ کیا ہے۔ افرادی صلاحیتوں اور مادی وسائل اقتصادی گروپوں میں منظم ہو کر اقتصادی مقاصد کے لئے اقتصادی سرگرمیاں نہیں کرتی۔ غیر ملکی سرمائے کے خدمتگار اقتصادی مفادات نے پاکستانی قوم کو قبائلی' لسانی' نسلی اور فرقہ ورانہ غیر اقتصادی سرگرمیوں میں الجھا کر ملک کو اپنی اقتصادی کالونی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے' نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کی خام لیبر اور قوم کے خام وسائل غیر ملکی سرمائے کی خدمت کے لئے وقف ہو کر رہ گئے۔ پاکستان میں جمہوریت کسی بھی سطح پر عوام سے مشروط نہیں رہی' اس کی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں میں عوام کوئی مقصد بنے ہیں' عوام ہمیشہ کسی اور ہی بھینٹ کا بکرا بنتے رہے ہیں۔ الیکشنوں میں جمہوری ووٹ کے قومی مقاصد کو سبوتاژ کرنے کے لئے حلقوں کی قبائلی اور علاقائی تقسیم ووٹروں کو انتظامیہ کے زیر اثر لانے' ووٹروں کو اپنے اقتصادی محاکے میں رکھنے' ووٹروں کو قبائلی عصبیتوں سے چیرنے' ووٹروں کو سیاست دانوں کے صوابدیدی اختیارات کے حوالے کرنے اور ووٹروں کو بے بس و مجبور کرنے کے دیگر حربوں سے ملک کے قومی ادارے پارٹی اداروں میں تبدیل ہو گئے۔ ووٹروں کو ذاتی اثر میں رکھنے کے لئے قومی اداروں کے غلط استعمال سے تمام اداروں میں قومی روح وفات پا گئی اور وہ ادارے اپنے قومی مقاصد ہار کر اپنے بین الاقوامی مقاصد سے بھی دستبردار ہو گئے۔ ایسی جمہوریت نہ قومی ہے نہ عوامی ہے' نہ سماجی ہے' یہاں جمہوریت اور مارشل لاء ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

یہاں جمہوریت کی طرح فلاحی مملکت کے دعووں کی حیثیت بھی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے بے بنیاد پراپیگنڈے سے مزید کچھ بھی نہیں۔ فلاحی مملکت کا حصول اعلی پائے کے نظام تعلیم' اعلی پائے کے حفظان صحت کے نظام' اعلی پائے کے نظام پیداوار' اعلی پائے کے ذرائع پیداوار اور اعلی پائے کے تحقیقی اداروں اور اعلی پائے کی انتظامی صلاحیتوں کا متقاضی ہے' جو مل کر اتنے وافر وسائل پیدا کر سکیں کہ ہر ایک ان وسائل سے فیضاب ہو سکے' لیکن ہمارے ہاں ان اداروں اور ان معیاروں کے حصول کی طرف کسی سرکاری پالیسی کا کوئی رخ نظر نہیں آتا۔ یہاں اوپر سے نیچے تک پھوٹ اور لوٹ کی پالیسیوں کا دور دورہ ہے۔ فلاحی مملکت کا حصول تو بہت اونچا فن ہے' لوگ ابھی تک اس خوف سے ہی باہر نہیں آسکے کہ کیا مملکت کا وجود بھی قائم رہنے دیا جائے گا یا نہیں۔ اس مملکت کے تمام مسائل کا حل ایک ایسے ذہنی انقلاب میں ہے جو اس دور کی اقتصادی اشتہا پر ملامت بھیجنے کی بجائے اس اشتہا کی تسکین کے ذرائع پیدا کر سکے' جو زندگی کے معیاروں کے مقابلے کی دوڑ میں موثر شرکت کر سکے' جو اقتصادی اشتہا کا عالمی مقابلہ جیتنے کے لئے ضابطہ اخلاق کو فروغ پیداوار اور تشکیل سرمایہ کی ضروریات کے مطابق آگے بڑھا سکے' جو نیکی اور بدی کے تصورات کی تجدید کر سکے۔ تشکیل زر کے اخلاق کی پاسبانی صرف اقتصادی گروپوں کی کشمکش سے ممکن ہے۔ افواج سرمایہ کو مضبوط کرنے سے ممکن ہے۔ صنعت' مالیات اور تجارت کے فروغ کے لئے درکار سود کرائے' منافع اجرتوں اور قیمتوں کی کشمکش کو صرف اقتصادی گروپوں کی مذکورہ قوتیں سماجی تباہی پھیلا دیتی ہیں۔ ہوس زر کی مخلوق' سود' کرایہ' منافع' زر اندوزی' افراط اور استحصال قیمتیں اور اجرتیں غیر اقتصادی سماج کے لئے اقتصادی قباحتیں ہیں جبکہ یہی قباحتیں سماج کی اقتصادی گروہ بندیوں سے اقتصادی محاسن میں تبدیل ہو جاتی ہیں ہوس زر کی مذکورہ مخلوق گزراہ لیول کے سماج کے لئے طوفان نوح کا درجہ رکھتی ہے' جب تک سماج کاشتکاروں اور کاریگروں کے

ذریعے پیداوار کرتا رہا' سود' ذخیرہ اندوزی' انڈسٹری' بینکنگ اور کامرس نے تشکیل زر کی قوت کا راز پا لیا تو وہی پاپ سب سے بڑے خیر کے سر چشمے بن گئے وسائل کی افراط نے انسانی حقوق شہری آزادیوں اور فلاحی مملکت کی سہولتوں میں اضافہ کر دیا' دنیا کی نعمتوں میں اضافہ کر دیا۔

جب تک ارتقاء کے لئے مقابلے کا عمل جاری ہے' اپنوں کی مضبوطی کی خاطر بولا ہوا جھوٹ نہیں بلکہ حکمت عملی تصور ہو گا۔ اپنوں کی مضبوطی کے لئے کیا ہوا فریب فریب نہیں بلکہ مہارت تصور ہو گا۔ اپنوں کی مضبوطی کے لئے مخالفوں کو کمزور کرنا بدنیتی نہیں بلکہ جدلی فراست تصور ہو گا۔ انسانی اخلاق ابھی اس سطح پر نہیں پہنچا جہاں مقابلہ ایک بدی میں تبدیل ہو گیا ہو۔ جب تک اداروں کی کارکردگی میں منصف کا کردار مقابلے کے پاس ہے' ہمہ گیر قسم کا انسانی اخلاق بپا کی ضمانت فراہم نہیں کر سکتا۔ اس وقت تک اخلاق بپا کی ضمانت فراہم نہیں کر سکتا۔ اس وقت تک اخلاق نسبتی' تنا ظراتی' جدلی اور اپنی قدریں تبدیل کرتا رہے گا۔ امریکہ اور یورپ کو استحصال کار سامراج' سود خور اور اجارہ دار کہہ کر کوستے رہنے سے ہماری صحت بہتر نہیں ہو سکتی استحصال اور اجارہ داریاں ان کے اعلیٰ ہنر اور قدرتی انعام ہیں۔ سرمایہ ان کا مذہب ہے' تشکیل سرمایہ کے منافی ہر عمل کو قطع کرتے رہتے ہیں۔ ہماری نجات قومی سرمائے کے فروغ کے لئے سماجی تنظیم میں ہے۔ اپنی بزنس پاور اور اپنی زری پاور بڑھانے میں ہے۔ تاریخ کے جس مقام پر ہم کھڑے ہیں عالمی اجارہ داریوں کا مقابلہ انفرادی مقابلے سے نا ممکن ہے۔ انفرادی مقابلے میں اتنے چھوٹے چھوٹے سماجی سوراخ ہوتے ہیں' جنہیں اجارہ دار سرمایہ بڑے شگافوں میں بدل کر قوم کو سامراج کا بھکاری بنا دیتا ہے۔ درآمدی سرمایہ بے روزگاری کو بڑھاتا ہے۔ افرادی اور مادی وسائل کے استحصال کا باعث بن کر عوامی مصائب میں اضافہ کرتا ہے' اس لئے نجات اس میں ہے کہ سوراخ اس طرح بند کئے جائیں کہ انسانی اور مادی وسائل نہ صرف مدافعت بلکہ جارحیت کے بھی قابل ہوں۔ قدرت کے دانت اور پنجے سرخ ہیں جو جہاد نہیں کرتے ان کے خلاف جہاد شروع ہو جاتا ہے۔

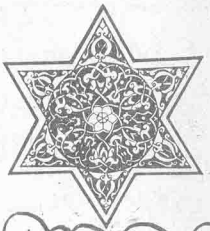

اشعار در مدح سلسلہ اویسیہ

از مولانا ریختہ صاحب پٹولوی اویسی نقشبندی (انڈیا)

۱ سالکوں کا حاصل ہے سلسلہ اویسیہ
عظمتوں کا حامل ہے سلسلہ اویسیہ

۲ خواہشوں کے صحرا میں کیوں بھٹکتے ہو لوگو!
ہاں خدا سے واصل ہے سلسلہ اویسیہ

۳ دولت و حکومت میں چین ڈھونڈنے والو!
پر سکون ساحل ہے سلسلہ اویسیہ

۴ ہو کے اشرف و اعلیٰ کیوں بھٹکتے ہو یارو!
دیکھو راہِ منزل ہے سلسلہ اویسیہ

نو آبادیاتی نظام کے وارث

مولانا محمد اکرم اعوان

اللہ جل شانہ کا ایک بہت بڑا احسان مسلمانوں پہ اس ملک کی صورت میں اور اس خطہ زمین کی صورت میں ظاہر ہوا ایک یہ اتنا بڑا انعام ہے رب کریم کا کہ جس کا ہم جتنا بھی شکر کرتے بہت کم تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے ہم لوگوں نے صرف یہ نہیں کہ ناشکری کا راستہ اختیار کیا بلکہ ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ کا انعام نہیں ہے شاید یہ ہمارا استحقاق ہے یا ہماری کوشش اور ہماری محنت کا نتیجہ۔ ہم نے اپنی طاقت سے' اپنے زور سے اپنے لئے ایک نعمت حاصل کر لی اور ہم اس کے لائق تھے اس کے مستحق تھے اور ہم نے اسے حاصل کر لیا۔

ایک بہت برا اثر جو ہوتا ہے نو آبادیاتی نظام کا وہ یہ ہوتا کہ جب بھی یہ نو آبادیاتی نظام یا کولونیل سسٹم کہیں سے ختم ہوتا ہے یا ان لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے آزادی دی جاتی ہے تو ملک کی باگ ڈور ان عناصر کے سپرد کی جاتی ہے جو اس حاکم قوم کے پروردہ ہوتے ہیں اس کی خاطر کام کرتے ہیں اس کے ساتھ رہتے ہیں ان کا جینا مرنا اٹھنا بیٹھنا سارا اس حاکم قوم سے وابستہ ہوتا ہے وہی اس کے جانشین بنتے ہیں۔ نو آبادیاتی ممالک کی دوسری مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ان میں بکنے والے لوگ زیادہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے وہ ملک غیر اقوام کے نو آبادیاتی نظام کے تحت آجاتے ہیں کہ ان ممالک میں دین فروش' ملک فروش' قوم فروش لوگ بہت زیادہ ہوتے ہیں وہ باہر کی اقوام سے مالی فائدہ لے کر اپنی قوم کو اپنے ملک کو اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں۔ آپ کو یہ بات اچھی طرح یاد رہنی چاہئے کہ بنگال سے لے کر کابل تک اور ہمالہ سے لے کر دکن تک برطانوی راج میں اس متحدہ ہندوستان میں چار ہزار سے کم انگریز تھے۔ یہ جتنی پوری آبادی ہے اس پر انگریز جو تھے وہ چھتیس سو یا اس کے لگ بھگ تھے چار ہزار سے کم تھے اور یہ کروڑ کی آبادی جو ہے اس پر حکومت کرتے تھے کس طرح سے؟ آپ نے دیکھا جہاں چپے چپے پر سر اور خان صاحب اور ان نواب صاحب اور نواب زادے ان کی جاگیریں اور ان کی جائیدادیں اور ان کے مربعے اور ان کے آبائی انعامات یہ سارے سر اور نواب یہ جتنے یہ صرف اس بات کی دلیل تھے کہ یہ انگریز کے وفادار غلام ہیں اسی غلامی اور قوم کو بیچنے کی اجرت انہیں جاگیروں کی صورت میں' نقد انعامات کی صورت میں' خطابات کی صورت میں اور دوسری رعایتوں کی صورت میں دی جاتی تھیں اور ان چھتیس سو انگریزوں کا کمال نہیں تھا کہ انہوں نے پورے ملک کو باندھا ہوا تھا یہ کمال اس ملک کے رہنے والوں کا تھا کہ جہاں تک ان کی رسائی تھی وہ قوم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں انگریز کی بارگاہ میں کھڑا رکھتے تھے۔ انگریز کے جانے کے بعد ملک کی باگ ڈور انہی کے

ہاتھ آئی اور اب تک انہی کے پاس ہے یہ سارے وہی لوگ ہیں اگر کوئی ایک آدھ باہر سے ان میں آجاتا ہے تو اسے وہ کسی کونے کھدرے میں رگڑ رگڑ کر فٹ کر لیتے ہیں وہ بھی ان جیسا ہو جاتا ہے وہ جسے انگریزی میں کہتے ہیں نا ACCOMODATE کرنا یا ADJUST کرنا یعنی اس چیز کو رگڑ رگڑ کر سانچے میں پورا بٹھا دینا تو اس طرح کا ہو جاتا ہے اور کالونی ہوتی ہے ٹھیکے پہ چلائی جانے والی چیز یہ جو کالونیل سسٹم ہوتا ہے یہ ایسے ہوتا ہے جیسے آپ کا کوئی کارخانہ ہے تو آپ اسے بجائے خود چلانے کے کسی کو ٹھیکے پہ دے دیتے ہیں کہ مجھے سال میں اتنے پیسے دے دو تم جانو یہ کارخانہ جانے۔ تو کالونیل سسٹم جو ہوتا ہے وہ ٹھیکے پہ دے رکھے تھے ہر جاگیردار' ہر ریاست والا' انگریز کو جو لگے بندھے پیسے تھے وہ دے دیتا تھا۔ کہیں کوئی شور شرابا ہوتا تو انگریز اس کی مدد کو یا اس کے فیصلے کرنے کو موجود ہوتا تھا اور یوں مقامی حکمران چھوٹے چھوٹے حکمران ٹھیکے پر اس ملک کو چلا کر اس کی ساری آمدن ایک جگہ بھیجتے رہتے تھے۔

لیکن جسے آپ اور میں آزادی کہتے ہیں یہ آزادی ہمیں کیا ملی یہ ان ٹھیکیداروں نے آگے سلیٹ کر دیا پہلے ٹھیکیداروں کے اوپر تو کوئی پوچھنے والا تھا۔ ملکیت کا دعویٰ تو انگریز کرتا تھا۔ اس نے وہ حقوق ملکیت جو تھے ہمارے' ہماری جانوں کے' ہماری اولاد کے' ہماری جائیداد کے' ہمارے دکھ اور سکھ کے' ہمارے دین اور مذہب کے بھی' وہ سارے حقوق اس نے ان ٹھیکیداروں کو دے دیئے اور ٹھیکیداروں نے آگے چھوٹے چھوٹے گروپ ٹھیکیداروں کے بنا لئے۔ اب یہ ٹھیکیدار وفادار اسی کے ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے۔ کتنا خوش نصیب ملک ہے یہ کہ دو بندوں میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک صدر تھا ملک کا ایک وزیر اعظم تھا۔ میرے خیال میں اتنی گری ہوئی سطح پر تو دو پٹواری بھی نہیں لڑتے تھوڑا سا انہیں بھی احساس ہوتا ہے کہ ہم عام دیہاتی نہیں ہیں ہم حکومت کے ملازم ہیں اور اس ملازمت کی کوئی تھوڑی سی صورت ممکن ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف درخواست دے دیں لیکن وہ شاید گلی میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو گالی دینا گوارا نہیں کریں گے یعنی اگر دو پٹواری بھی ہوں تو وہ لڑیں تو شاید ایک دوسرے کے خلاف کوئی محکمانہ درخواست دے دیں شکایت کر دیں سربازار گالیاں نہیں دیں گے جب کہ ہمارے وزیر اعظم تک نے ٹیلی ویژن پر ریڈیو پر حق و باطل اور کفر و اسلام اور چور اور بے ایمان تک کہا اور جناب صدر نے بھی بڑی لمبی گردانیں پڑھیں اور وہ ساری میرے خیال میں ریکارڈ پر موجود ہیں جو پیپلز پارٹی کے حق میں انہوں نے پڑھیں اور پھر مسلم لیگ کے حق میں جو گردانیں دوہرائی گئیں۔ تو میرے خیال میں یہ اتنا گھٹیا معیار ہے کہ ایک عام سرکاری ملازم کا بھی نہیں ہوتا اس میں بھی تھوڑا سا رکھ رکھاؤ ہوتا ہے تو یہ صرف دو بندوں کی ذاتی لڑائی تھی اس پوری لڑائی میں ملک کو ڈھال بنایا گیا بات ذاتیات کی تھی کہ تم زیادہ فائدہ لے رہے ہو اور لوٹ کا حصہ مجھے کم آ رہا ہے اور تمہارے زیادہ بندے ملازم ہیں اور میرے کم ہیں تمہارا بھائی زیادہ کام کروا لیتا ہے میرے داماد کے کم ہوتے ہیں جھگڑا اصل یہ تھا ورنہ کوئی ملکی سرحد پر دشمن نہیں بیٹھا تھا کہ جس کے لئے دونوں لڑ رہے تھے کہ کیا کیا جائے یا ملکی معیشت کو کوئی سہارا دیا جائے یا عام آدمی کس تکلیف میں ہے اس کا کیا سوچا جائے ایسا نہیں تھا اور یہ بڑے قوم کا بڑا دکھ کھاتے ہیں کھاتے ذرہ آرام سے ہیں مثلاً" اب پریذیڈنسی دیکھ لیں اس پہ کتنا عرصہ لگا کتنی حکومتیں بدلیں اور کتنے ارب روپیہ لگا اسی طرح اسلام آباد میں وزیر اعظم کا گھر ہے اس کی جو عمارت ہے صرف وہی کوئی بیاسی یا بانوے کروڑ کی ہے ڈیکوریشن جو ہے۔ اس میں اندر جو کچھ لگائے گئے ہیں جب بے نظیر نے خالی کی تو باتھ رومز کے جو پاٹس تھے وہ پچپن لاکھ کے بدلے گئے کہ جن برتنوں میں وہ پیشاب کرتی تھی ان میں اس وزیر اعظم کا پیشاب خراب ہوتا ہے؟ پچپن لاکھ کے وہ پارٹس منگوائے گئے بدلے گئے باقی جو سیٹ اپ اور ڈیکوریشن اور جو چیزیں بدلی گئیں وہ الگ ہیں۔ کیونکہ انہیں زیادہ آرام کی اور زیادہ

سہولیات کی ضرورت ہے کیونکہ وہ ساری قوم کا دکھ کھاتے ہیں۔ آپ کو اپنا ایک مرض ہے تو آپ کو کتنے آرام کی ضرورت ہے؟ اگر آپ کو دس بندوں کی بیماری دیں تو یہ بے چارے تو بارہ کروڑ بندوں کا درد سہتے ہیں ان کو ذرہ زیادہ آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اس لڑائی میں جو کچھ ہوا اسے تو بھول جایئے چلو ہو گیا اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کی جگہ اب آپ کی بڑی خوش بختی ہے اللہ نے اس ملک پر بڑا احسان کیا کہ یہاں نوح علیہ السلام جیسا وزیر اعظم بھیج دیا۔ اب دیکھئے اس سے بڑا انعام کیا ہو گا یعنی جو وزیر اعظم آپ کے لئے چنا گیا اسے نوح علیہ السلام کی طرح سمجھو۔ مجھے مت دیکھیں اپنی عدالت کو دیکھیں آپ تو ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے مجھے کھا جائیں گے میں نے یہ جرم نہیں کیا یہ آپ کی عدالت کا حکم ہے کسی منچلے وکیل نے یہ رٹ کر دی تھی ہائیکورٹ میں اس نے رٹ کر دی تھی کہ یہ بندہ جسے اس ملک کا وزیر اعظم بنایا گیا ہے اسے پینتیس برس ہو گئے ہیں باہر رہتے اس کی بیوی ابھی تک غیر مسلم ہے اس کی اولاد غیر مسلم ہے اور اس کی بیٹیوں کی شادیاں غیر مسلموں سے ہوئی ہیں اور اس کے بیٹے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی شدہ ہیں۔ یعنی اس کا پورا خاندان سارا غیر مسلم ہے۔ تو اس کو پکڑ کر آپ نے یہاں وزیر اعظم بنا دیا جو اسلامی ملک ہے۔ تو اسلامی ملک کی نگرانی کے لئے اس طرح کا بندہ جس کی عمر باہر بیت گئی اور جس کے مذہبی حالات یہ ہیں وہ کیسے اسلامی معیار پر لے آتا۔ بہرحال ہماری کورٹ نے یہ فیصلہ دیا اور پہلے ہی دن نپٹایا دلیل یہ دی جج نے کہ نوح علیہ السلام کی بیوی کافر تھی نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا۔ یعنی یہ پاکستانی نوح علیہ السلام تھے۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اس ملک کی کیا تھی کہ اسے اس دور میں نوح علیہ السلام کی مثال کا بندہ مل گیا تھا۔

سارے حالات جو ہیں وہ یہ ہیں کہ اس قوم میں وہ قوم فروش جو اسے نو آبادیاتی بنانے کا سبب بنے موجود ہیں۔ ان کے پاس ان کی جاگیریں بھی موجود ہیں ان کا اثر و رسوخ بھی موجود ہے اور جو کردار تھا ان کا وہ بھی موجود ہے۔ جس ایک خاص مکتب فکر کو ایک حلقے کو حکومت ملی۔ وہ بھی جوں کا توں موجود ہے اور ایک ایسا نظام بنا دیا گیا ہے کہ اس ملک کے اندر ان کے سکول الگ ہیں جہاں ان کے بچے پڑھتے ہیں آپ کبھی ان سکولوں کا نتیجہ بھی نہیں سن سکتے۔ ان کے داخلے کی شرائط بھی نہیں جان سکتے ان کے کسی طریقے کار کی کسی شہری کو ہوا نہیں لگنے دی جاتی اور سب سے مشکل ہے ان میں داخلہ اور سب سے آسان ہے ان میں رہنا۔ انہیں پچاس پچاس کروڑ کی گرانٹ ملتی ہے کیوں کہ سارے ان کے بچے ہوتے ہیں اور یہ بچارے درد کے مارے لوگ ہوتے ہیں ساری قوم کا درد سہ سہ کر تکھے ہارے تو انہیں بہت زیادہ سہولیات وہاں بھی دی جاتی ہیں فیل ہوتے ہیں یا پاس ہوتے ہیں یہاں سے باہر چلے جاتے ہیں باہر خواہ یہ ڈانسنگ گروپ کے ساتھ ناچنا گانا ہی سیکھتے رہیں وہاں سے آئیں تو سیدھے اسمبلی یا کیبنٹ میں چلے جاتے ہیں وزیر بن جاتے ہیں ان کا دس فیل بچہ وفاقی وزیر ہو سکتا ہے آپ کا تین دفعہ ایم۔ اے کر لے کالج میں لیکچرار نہیں لگ سکتا اور یہ سارا نظام اپنی پوری آب و تاب سے پچاس سال سے چل رہا ہے ہم وعظ کہتے رہے ہم جلسے کرتے رہے ہم فتوے دیتے رہے ہم تبلیغ کرتے رہے ہم چلے لگاتے رہے ہم ذکر کرتے رہے ہم مراقبے کرتے رہے مگر کرنے کا کام کسی نے بھی نہیں کیا کہ اگر یہ ملک اللہ کے نام پر نصیب ہوا تھا تو اس کو چلانے والے لوگ بھی وہ ہونے چاہیں جو اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں۔ یعنی ہم نے جتنی کوششیں کیں وہ ڈول نکالنے کی کوششیں تھیں۔ کوئی دیہاتی مولانا کے پاس گیا کہ جناب ہمارا ایک ہی کنواں تھا گاؤں کا اور اس میں کتا گر گیا تو اس کا کیا کیا جائے اس میں تو کتا مر گیا ہے اسے دو دن ہو گئے ہیں بندے پریشان ہیں پینے کا پانی نہیں ہے۔" تو انہوں نے بتایا کہ "بھئی تین ساڑھے تین سو ڈول اتنی مقدار ہو ڈول کی اور تین سو ساٹھ ڈول نکالو تو اس کے بعد پانی پاک ہے۔" اس نے گاؤں میں منادی کر

دی۔ لوگ جمع ہو گئے دبا دب لگ گئے اور تین سو ساٹھ ڈول نکالا اور کہا اب پاک ہو گیا۔ تو کسی نے کہا بھئی پہلے اس مولوی کو پلاؤ جس نے کہا ہے کہ تین سو ساٹھ ڈول نکالنے کے بعد پاک ہے۔ پہلے وہ پئے تو تسلی ہو جائے کہ واقعی پاک ہے۔ تو وہ ایک بالٹی بھر کے مولانا کے پاس لے گئے۔ انہوں نے دیکھا اس میں کتے کے بال تیر رہے تھے۔ انہوں نے کہا یار تم نے تین سو ساٹھ ڈول نکال دیئے مگر اس میں کتے بال تیر رہے تھے۔ انہوں کہا یار تم نے تین سو ساٹھ نکال دیئے کتا تو وہیں پڑا ہے۔ بال تو آئیں گے۔ ہم تو ڈول نکالتے رہے۔ جب کہ ضرورت یہ تھی کہ پہلے کتے کو باہر نکالا جاتا پہلے جو نظام حکومت تھا وہ جو انگریز کے جانشینوں کو ملک کی باگ ڈور مل گئی تھی اس سے گلو خلاصی دلا کر وہاں اللہ کے دین دار لوگوں اور شرفاء کو لایا جاتا۔

اسلامی نقطہ نظر سے شرافت اور غیر شریفانہ زندگی میں ایک معیار یہ ہے کہ وہ بندہ جتنا عنداللہ ۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ جتنا وہ نیک متبع شریعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والا ہے اتنا وہ اچھا اور شریف آدمی ہے ان کے نزدیک جتنا انگریز سے قریب تر جتنا منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے والا جتنا زیادہ انگریزی لباس اور جتنا زیادہ انگریزی تہذیب میں رنگا ہوا وہ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حیا اس کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

یعنی ان کے مہذب ہونے کا اندزا یہ ہے کہ میاں ٹائی باندھ کر کہیں جھک مارتا پھر رہا ہو اور بیوی بال کٹا کر کہیں اور ڈانس کرتی پھرتی ہو نہ اس کی حرکات میں کوئی حیا کی جھلک ہو اور نہ میاں صاحب کو اس پر غصہ آئے تو یہ سلجھا ہوا اور بڑا اچھے معیار کا انسان ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر یہ ہمیں آدمی نہیں کہتے مجھے اور آپ کو یہ آدمی نہیں کہتے ان کی اصطلاح ہے LAY MAN بندے جیسا جانور۔ ہو تو جانور دیکھنے میں وہ آدمی لگتا ہو۔ ان کی اصطلاح ہے LAY MAN اس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے لیٹا ہوا آدمی بیمار آدمی کمزور آدمی مرا ہوا آدمی پڑا ہوا۔ ایک آدمی کا جسم لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک جانور ہے جو بندے جیسا نظر آتا ہے اس کے کوئی حق نہیں اس کا کوئی مشورہ نہیں اس کی کوئی رائے نہیں کچھ بھی نہیں جب یہ تھوڑا سا دنیا کو دکھانے کے لئے ایک موسم آتا ہے الیکشنز کا تو اس میں بھی میری آپ کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہو گا وہی جو یہ یا ان کے غیر ملکی حکمران یا آقا کرنا چاہتے ہیں اور پہلے سے اس کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ آپ ایک صندوقچی میں ووٹ ڈالیں وہ نکلتے دوسری سے ہیں۔ کیا کر لیں گے آپ۔ جب آپ کی پرچیاں صندوقوں کے اندر ہی اندر سفر کرتی ہیں۔ ان کا آپ کیا بگاڑ لیں گے مجھے یاد ہے ایک دفعہ تقریر ہو رہی تھی مسلم لیگ کی۔ یونینسٹوں کے خلاف۔ ملک کی آزادی کی بات چل رہی تھی۔ تو مقرر نے یہ کہا تھا کہ انگریز نے تو اس قوم کا حشر کر دیا ہے جس طرح کمہار گدھوں سے کرتا ہے اور وہ یہ کہ جو بڑے بڑے طاقتور گدھے ہوتے ہیں انہیں تو رسی ڈال کر ایک کلے کے ساتھ باندھ دیتا ہے اور ساتھ جو دس بارہ چھوٹے چھوٹے کھڑے ہیں ان کے اس طرح ٹخنے دبا دیتا ہے کہ ہلنے کے قابل نہیں رہتے۔ لگاتا کچھ نہیں اپنا رسی دھاگا خرچ نہیں کرتا بڑا گدھا بندھا ہوا ہوتا ہے اور چھوٹوں کے تو اس نے خالی گٹے دبائے ہوئے ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں ہم بھی بندھے ہوئے ہیں وہ آرام سے کھڑے رہتے ہیں۔ مراد ان کی یہ تھی کہ بڑے بڑے جاگیرداروں کو تو انگریز نے جاگیریں دے کر غلام بنا لیا اور ہمیں آپ کو شاباشا کر کے ساتھ ملا لیا۔ دیا بھی کچھ نہیں۔ یہی نظام ان کا بھی ہے آپ ہر علاقے میں ہر قوم میں ہر برادری میں کوئی ایک چھوٹا موٹا سر انہوں نے بھی بنا رکھا ہوتا ہے ایک چھوٹا موٹا پٹی ٹھیکے دار انہوں نے بھی بنا رکھا ہوتا ہے اسے یہ چائے کی پیالی کبھی کبھی دے دیتے ہیں زیادہ تر اس سے ہی آ کر پیتے رہتے ہیں اس کے پینے کی باری کم آتی ہے وہ اس پر بھی خوش رہتا ہے کہ میرے پاس

آ کر پی تو جاتے ہیں تو وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اپنی برادری' رشتہ داروں' دوستوں کو قید کر کر کے ان کی معاونت کرتا رہتا ہے اور یہ نظام میرے آپ کے اور ہم سب کے اس غفلت اور غفلت سے بڑھ کر اگر صحیح کہا جائے ہماری غیر ذمہ داری اور بددیانتی سے یہ چل رہا ہے ہم بددیانت ہیں ہم غیر ذمہ دار ہیں ہماری وفائیں دین کے ساتھ' اللہ کے ساتھ' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہیں اور میں یہ محض بات نہیں کر رہا اس کے ساتھ ثبوت ہے آپ اندازہ کیجئے کتنی جماعتیں اس ملک میں دین کے نام پر بنیں ان سب کا حاصل کیا ہے انہوں نے حاصل کیا کیا ٹارگٹ کیا تھا ان کا صرف اقتدار میں حصہ داری اس کے علاوہ کچھ نہیں جتنی جماعتیں مذہب کے نام پر بنیں وہ جمعیت علمائے اسلام ہو وہ جمعیت علمائے پاکستان ہو جماعت اسلامی ہو یا منہاج القران ہو' پرانی ہوں یا نئی ہوں جس کو ایک آدھ ایم پی اے دو ایم این اے یا ایک آدھ اسمبلی کی سیٹ مل گئی یا ایک آدھ بندہ منسٹر بن گیا یا تھرو آوٹ ایک بندے کا ایم پی اے یا ایم این اے بن جانا دفتروں میں آنے جانے کا ایک گیٹ کھل جاتا ہے راستہ کھل جاتا ہے ایک تھرو آوٹ ہو جاتا ہے تو جسے بھی وہ ان تھرو تھوڑا سا مل گیا اس کا کام ہو گیا اس سے آگے اس نے سوچا ہی نہیں حتی کہ سپاہ صحابہ کتنی بڑی تنظیم بنی تھی۔ اور مولانا حق نواز مرحوم نے کتنی محنت اور مجاہدے سے حتی کہ وہ شریف بندہ تو جان بھی قربان کر گیا مگر اب اس کی اچیومنٹ کیا ہے۔ ایک آدھ سیٹ لے لی اور بات ختم۔ اب اس ہاتھی کی لاش میں وہ بھی شریک ہو گئے کوئی ایک آدھ بوٹی انہیں بھی مل جاتی ہے اب ساری جدوجہد ان کی بھی یہی رہے گی کہ یہ سیٹ ہاتھ سے نہ جائے یہ دو سیٹیں ہمارے ساتھ چلتی رہیں حکومت کیسی ہے ملک میں کیا ہو رہا ہے کون کیا کر رہا ہے اس بات سے وہ گئے اس کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔ یہی حال پرانی جماعتوں کا ہے وہ جماعت اسلامی ہو یا جمعیت علمائے اسلام یاجمعیت علمائے پاکستان ہو جن کے پاس دو دو سیٹیں ایم این اے یا ایم پی اے کی ہیں ان کی ساری محنت و مجاہدہ اسی بات پہ لگ جاتا ہے کہ یہ ہمارے پاس رہ جائے میں دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ یہ دین نہیں ہے نہ یہ دین کی خدمت ہے۔

میری ذاتی رائے میں دین یہ ہے کہ بندہ خود اقتدار کا لالچ نہ کرے بلکہ یہ قربانی دے کہ اقتدار دیندار لوگوں کے پاس ہو۔ بے دینوں کا اقتدار منظور نہیں۔ اور جب تک وہ اقتدار میں شریک نہیں ہو گا تب تک اس کی ساری محنت اسی کام پہ لگی رہے گی۔ اس کا جو ٹارگٹ ہے وہ یہی رہے گا۔ جب اقتدار میں اسے' ایک کرسی تو بڑی بات ہے ایک پیڑھی بھی مل گئی وہاں بیٹھنے کی۔ پھر اس کی کوشش یہ ہو گی کہ میری پیڑھی نہ چھن جائے اور کچھ بھی ہو یہ ہمارے پاس ہماری جماعت ہماری پارٹی کے پاس یہ سیٹ رہنی چاہئے۔ مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اس پورے ملک میں اگر ایسی کوئی جماعت ہے تو وہ نفاذفقہ جعفریہ کی ہے کتنے مزے کی بات ہے جب سے یہ فقہ بنی ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بڑے بڑے شیعہ حکمران بھی گزر گئے لیکن اس شیعہ کو نافذ نہ کر سکے حتی کہ آج کی ایرانی حکومت بھی مغربی طرز پہ جیتی ہے اس کے باوجود جو تحریک اس ملک میں بنی نفاذ فقہ جعفریہ کے لئے اس نے اسمبلی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ان کے پاس اتنے ووٹ ہی نہیں تھے۔ لیکن میں یہ بات نہیں مانتا یہ مغالطہ ہے۔ وہ اپنے طور پر صحیح سمت میں چل رہے ہیں ان کی سوچ ہے کہ جب وہ اسمبلی میں بیٹھیں گے تو پھر اس سیٹ کا تحفظ کرنے کی ساری طاقت اس پہ خرچ ہو جائے گی۔ ہمارے یہاں سے کوئی تسبیح والا بھی آتا ہے تو وہ بھی وہاں جا کر گم ہو جاتا ہے اور میں نے اچھے بھلے شریف علماء کو دیکھا اتنی بڑی بڑی داڑھیاں تھیں اب دیکھیں تو وہ فرنچ کٹ ہو گئی ہیں جوں جوں ادھر سے مال آتا گیا توں توں انگریزیت اوپر چڑھتی گئی چلو انہوں نے پتلون نہیں پہنی مگر واسکٹ کا کٹ جو ہے فرانسیسی سا ہو گیا۔ داڑھی کا کٹ فرنچ

ہو گیا انگریزی ہو گیا بالوں کا حلیہ ہو گیا ٹائی نہیں باندھی تو رومال بھی نہیں باندھا پھر ایک درمیانہ راستہ کوئی ٹوپی وپی ایسی اختیار کی جو درمیان میں لے آئے کہ بالکل اس طرح کے نہ لگیں یعنی وہ بجائے اس کے کہ وہاں کوئی تبدیلی لاتے وہ خود تبدیل ہونے لگ گئے کوئی ایک نہیں جسے جی چاہے دیکھ لو اور جو دو چار رہ رہے ہیں انہوں نے بھی اپنی خیر اس حلیے میں سمجھی کہ اس پر بینیفٹ مل رہے ہیں ورنہ دین کے لئے ملک کے لئے قوم کی رہنمائی کے لئے کرنے کے قابل کوئی بھی نہیں رہا کہ ان کی وہ جو کوششیں ہیں وہ پھر جو انہیں چھوٹا سا بھی حصہ ملا ہے اس کی تحفظ میں لگ گئے تو فرمایئے اس میں میرا اور آپ کا ہم سب کا کیا کردار ہے؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟

یہ صحیح بات ہے کہ اللہ نے ہمیں نمازیں ادا کرنے کی توفیق دی اس کا احسان ہے اس نے ہمیں ذکر کرنے کی توفیق دی یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے اس نے ہمیں مشاہدات سے مکاشفات سے نوازا اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ لیکن کیا ان سب چیزوں کا محاسبہ اس انداز سے نہیں ہو گا کہ تجھے تو میں نے سجدوں کی توفیق دی تھی تو نے میدان عمل میں کیا کیا؟ یہ جو نماز نہیں پڑھتا اس بدنصیب کو تو میں نے اپنے دروازے پہ پیشانی رکھنے کی توفیق نہیں دی اگر اس نے سستی کی تو ایک بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ یہ تو محروم قسمت تھا تو جب سجدے کرتا تھا تو تو نے کیا کیا قیام اسلام کے لئے؟ تجھے اگر مشاہدہ اور مکاشفہ حاصل تھا تو تو کیا اسے سنیما کی طرح انجائے کرتا رہا یا تیری عملی زندگی میں اور تیرا مال' تیری جان' تیری کوششیں' شاعر اور دانشور جو ہوتے ہیں میں اگلے دن ادیبوں کو دیکھتا رہا ٹیلی ویژن پہ بہت سارے جمع تھے شعراء اور ادیب عطاالحق قاسمی سے لے کر وہ بڑے قاسمی صاحب تک کو میں نے دیکھا قد مختلف تھے زبان یا مضمون اپنا تھا لیکن حلیہ شلیہ وہ ؎

کوے ہیں سب دیکھے بھالے چونچ بھی کالی رنگ بھی کالے
کالی کالی وردی سب کی ایک ہی رنگ کی ایک ہی ڈھب کی

سر سے پاؤں تک انگریزی چھاپ ہوبہو لگی ہوئی تھی۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ بات اردو ادب کی ہو رہی ہے نظمیں اردو کی پڑھی جا رہی ہیں' غزلیں اردو کی پڑھی جا رہی ہیں۔ ادب پارے اردو کے' صورتیں انگریز جیسی۔ یہ قوم کے دانشور ہیں جو مزاج ہوتے ہیں قوم کی آنکھیں بننے کے مدعی ہوتے ہیں کہ وہ قوم کو راستہ دکھاتے ہیں۔ حکمران ویسے ہیں اور دانشور ایسے ہیں۔ پیچھے رہ گیا ہمارا روحانی پیشواؤں کا طبقہ۔ میں کہیں سے گزر رہا تھا تو مجھے ایک جیل نما عمارت نظر آئی۔ بڑی بیس بیس فٹ اونچی دیواریں جو مٹی کی بنائی گئی تھیں اس کے اوپر پول لگے ہوئے ان پر بجلی کی تاریں لگی ہوئی گویا اس پر الیکٹریفیکیشن کی گئی باقی کہ کوئی اندر باہر آ جانہ سکے۔ ان تاروں میں بجلی چھوڑی جاتی تھی تین چار مربع جگہ پر تھی تو میں سمجھا یہ کوئی سب جیل ہے۔ کوئی ایسی جیل اس جگہ سنی نہیں میں نے ساتھ والوں سے پوچھ لیا کہ بھئی یہ کون سی جیل ہے اس سڑک پر۔ تو کہنے لگے جی یہ جیل نہیں ہے۔ یہ پیر صاحب کے کتوں کے دوڑنے کی جگہ ہے۔ کتے اس چار دیواری میں دوڑائے جاتے ہیں۔ کہنے لگے یہاں بڑا مزے دار کام ہے وہ کونے پہ دیکھیں آپ یہ بلڈنگ ہے اس میں سارا سیٹ اپ ہے مووی کیمروں کا اور اس کے اندر گلیاں بنی ہوئی ہیں اور ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں اور پیچھے کھیت ہیں اس طرف اس مکان کے ساتھ ان کھیتوں میں فصلیں بوئی جاتی ہیں پھر ان میں خرگوش پکڑ کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور دو کتے جن کا مقابلہ ہوتا ہے یا تین خرگوش چھوڑ کر اس کے پیچھے کتے چھوڑے جاتے ہیں اور اگر پکڑا گیا تو پکڑا گیا۔ نہیں تو آگے آ کر پھر چھوٹا سا سوراخ ہے اس میں سے خرگوش گزر جاتا ہے کتا نہیں گزر سکتا وہ اس سوراخ کے اندر چلا جائے تو بھول .بھلیوں سے ہوتا ہوا خرگوش واپس انہیں کھیتوں میں پہنچ جاتا ہے اور وہ سارا کھیل وہ جو کمرہ اس میں مووی کیمرے لگے ہوئے ہیں ایک ایک حرکت ان کی وہ نوٹ کرتے جاتے ہیں پھر وہ ٹیلی ویژن پہ اسے REPLAY

کرتے ہیں تو پیر صاحب یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ کون سا کتا جیت گیا اور کون سا ہار گیا۔ کس کی شرط کون جیتا اور کون ہارا کئی لاکھ بندے جس زمین پہ پل سکتے تھے اس پہ چند کتے جو ہیں ان کے دوڑانے اور ان سے جوا کھیلنے کا اہتمام ان پیسوں سے کیا جاتا ہے جو آپ اللہ کے نام پر پیروں کی نذر کرتے ہیں انہیں کوئی گورنمنٹ ایڈ نہیں دیتی اس کام کے لئے۔ کچھ آپ دیتے ہیں کچھ گیارہویں شریف کے نام پر' کچھ عرس شریف کے نام پر' کچھ نذر نذرانہ کے نام پر' کوئی بچے کی بیماری سے صحت کے لئے' کوئی بیوی سے جھگڑے سے بچنے کے لئے' کوئی کاروبار میں منافع کے لئے' جو چیزیں آپ جا کر دیتے ہیں یہ ان کا مصرف ہے اب جو بندہ اتنی موج میلے میں بیٹھا ہوا ہے اگر قوم ڈوب رہی یا بچ رہی ہے اسے فرصت ہے؟ اس کے پاس وقت ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ اس سارے بگاڑ کے میں اور آپ' ہم سب ذمہ دار ہیں۔ یہ سب کچھ اسی ملک میں ہمارے اردگرد ہو رہا ہے اور ہم مزے سے دیکھ رہے ہیں۔ جو بہت بڑا پارسا ہے وہ کہتا ہے کہ اے اللہ تو کر دے اگر اللہ نے ہی کرنا ہے تو تو زمین کے سینے پر بوجھ کیوں ہے۔ اللہ تو قادر ہے جب چاہے گا کرے گا لیکن اللہ کو تجھے خلافت دینے کی کیا ضرورت تھی تجھے مکلف کیوں بنایا تجھے کیوں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان دیئے اور تجھے کیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی دیا اللہ نے ابراہہ کے لئے ابابیل بھیج دئے تھے چونکہ اللہ کے ماننے والے یا اللہ کی وہ فوج جو عشق رسول اللہ کے سپاہی ہوں وہ نہیں تھے اور اہل مکہ نے کہہ دیا کہ بارالہام ہم سے ابرہہ ٹکرا ہے تو جان تیرا گھر جانے اور ابرہہ جانے یہی ہوا تھا اس نے ابرہہ کے لئے ابابیل بھیج دیئے۔

آج امریکہ کی یہودی فوج' سعودی عرب میں گئی اور چودہ سو سال بعد پہلی دفعہ سعودی کے ساحل پر خنزیروں کے جہاز لگے۔ سعودی زمین پر عرب کی زمین پر کاٹے گئے اور عرب کی زمین پر پکا کر کھائے گئے اور حرم مقدس کی زمین میں چودہ سو سال بعد کافروں نے دندنا دندنا کر وہاں سیر کی اللہ نے کوئی ابابیل نہیں بھیجے۔ اس کے پاس آجکل ابابیل نہیں ہوتے کیا؟ اب وہ حساب مجھ سے اور آپ سے لے گا ابابیل نہیں بھیجے گا۔ اب اس نے ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی دے کر تیس پارے قرآن حکیم دے کر جہاد کی تعلیم اور جہاد کو فرض کر کے اور ہمیں نور ایمان اور اپنی محبت دے کر اس نے مبعوث کر دیا ہے پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اب یہ کام ہماری ذمہ داری ہے ہم نہیں کریں گے تو بیت اللہ گر جائے گا ابابیل نہیں آئیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک لنگڑا یہودی اس بیت اللہ کو گرا دے گا۔ اور اس کے پتھر الگ الگ کر کے پھینک دے گا اور اللہ کا ذکر یہاں سے ختم کر دے گا اور وہی وقت ہو گا جب قیامت قائم ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس بیت اللہ کے گرنے کے بعد زمین پر قیامت۔ جب اللہ کی گرفت آئے گی تو پھر ارض و سماء سب تباہ ہو جائیں گے پھر قیامت ہو جائے گی اب بیت اللہ کو بچانے کے لئے ابابیل نہیں بھیجے گا وہ ابابیل میں اور آپ ہیں۔ ہمیں انڈے بچے دینے سے ہی فرصت نہیں دانہ چگنے سے ہی ہمیں فرصت نہیں ہر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اسے دو وقت کی روٹی مل جائے اور اس کے اپنے بچے خریت سے ہوں اور یہ سب خریت ہے اور باقی ٹوٹی پھوٹی دو وقت نماز پڑھ لی جائے۔ بہت بڑا نیک کام کیا تو کسی پیر کو نذرانہ دے دیا۔ یہ کون سا اسلام ہے؟ جو مسلمان اسلامی زندگی اپنا نہیں سکتا جو مسلمان بقائے اسلام کے لئے قربانی نہیں دے سکتا جو مسلمان بقائے اسلام کی فکر نہیں کرتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فرمایا جس کے دل میں یہ تمنا بھی پیدا نہ ہو کہ میں بھی اللہ کی راہ میں کام آ جاؤں اور اسلام کو زندہ کر جاؤں فقد مات موتته الجاهليته۔ وہ اس موت مرتا ہے جیسے میرے مبعوث ہونے سے پہلے جماعت کی موت لوگ مرا کرتے ہیں۔ گویا اسے ہوا بھی نہیں لگی اسلام کی بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ مرا کرتے تھے تو میں اور آپ کب کام آئیں گے۔ ہے کسی

کے پاس زندہ رہنے کا سرٹیفکیٹ۔ ہے کسی کے پاس یہ سند کہ وہ اگلا سورج بھی طلوع ہوتا دیکھے گا۔ نہیں ہے تو جو لمحے ہیں انہیں تو کسی کام میں لاؤ۔ اور اس ملک میں الیکشن کی نہیں جہاد کی ضرورت ہے الیکشن میری اور آپ کی ضرورت نہیں۔ یہ الیکشن اس طبقے کی ضرورت ہے جو اس ملک پہ حکومت کرنا چاہتا ہے جو اس ملک کا پانی نہیں پیتا۔ فرانس سے پیرس سے پانی آتا ہے اور ہمارے حکمران یہاں بیٹھ کر پیتے ہیں اس ملک کا نہیں پیتے۔ مرتے ہیں تو وصیت کر جاتے ہیں کہ ہمیں ملک میں دفن کیا جائے اور دیکھو کتنے وفادار ہیں اس ملک کے کہ سپاہی بھرتی ہوا جرنیل بنا کمانڈر انچیف رہا گورنر رہا پورے مغربی پاکستان کا اور مرتے دم تک کوئی ایک صدی کا ہو کر مرا اور مرا بھی بلوچستان کے گورنر ہاوس میں جنرل محمد موسیٰ خان مرنے کے بعد کفن سرکاری لاش اٹھانے والا جہاز بھی اسی ملک کا لیکن اس نے کہا اس ملک کی مٹی میں مجھے دفن نہ کرو مجھے ایران جا کر دفن کر آؤ۔ یار کتنی عجیب بات ہے۔ کتنا لوٹا اس ملک کو کتنی حکومت کی اس پر لیکن اس کی مٹی میں دفن ہونا پسند نہیں کیا اتنا بھی رشتہ نہیں ہے اس ملک کے ساتھ کہ اس کی مٹی میں ہی سو جائیں؟ وزارت' ٹیلی فون و تار' نیپ کے پاس ریلوے کا ٹھیکہ نیپ کے پاس فلاں بھی نیپ کے پاس فلاں کے پاس فلاں بھی نیپ کے پاس فلاں بھی نیپ کے پاس۔ آج بھی بیان تھا سابقہ وزیراعظم کا کہ نیپ سے دوستی اور مضبوط ہو گی۔ نیپ کی بنیاد رکھنے والے غفار خان نے وصیت یہ کی کہ میں مر جاؤں تو اس ملک کی مٹی میں مجھے دفن نہ کرنا اور مزے کی بات یہ ہے کہ پھر ان لاشوں کو سرکاری قافلہ اٹھا کر لے جاتا ہے دوسرے ملک میں دفن کرنے کے لئے یعنی جو لوگ اس ملک میں دفن ہونا پسند نہیں کرتے وہ اس ملک پہ حکومت کرتے ہیں اور اب تو ہے ہی اللہ کا احسان کہ اب تو نوح علیہ السلام کی مثال مل گئی اسے بڑی سعادت کیا ہو گی' کہ اس گئے گزرے زمانے میں ایک نبی کا مثل ہمیں عطا ہو گیا اور یاد رکھو بیوی کافر بیٹیاں کافر بیٹے کافر اور اپنا یہ نام بھی یہاں ہو گا' وہاں نام کوئی اور ہو گا چونکہ جس طرح جونیجو کا بکس بی جان تھا اس کا بھی کوئی اور ہو گا یہ سب باہر کی ایک ملمع کاری ہے آپ تو سپاہی بھرتی نہیں ہو سکتے فوج میں اور وہ وہاں سے آ کر وزیراعظم لگ گیا تو اس میں میں اور آپ کیا کریں گے بھئی کیا یہ سارا اسی طرح چلتا رہے گا؟ اگر اسی طرح چلتا رہا تو چند سالوں میں جنازہ پڑھنے کے لئے ٹیپ ریکارڈ رہ جائیں گے کہ ٹیپ بجا دو بابے کے جنازے کے ساتھ کوئی اذان کہنے والا اقامت کہنے والا نماز پڑھانے والا نہیں رہے گا۔

آئیں غسال کابل سے کفن جاپان سے

یہاں کوئی نہیں ملے گا اور یہی نہیں کہ یہ صورت حال اس قوم کی تباہی کا سبب بن رہی ہے میں اور آپ آخرت کا جواب دینے کے قابل نہیں ہوں گے اس تمام صورت حال کے مقابلے کے لئے ہم نے تو اللہ کا نام لے کر الاخوان کو منظم کیا ہے اقتدار میں شراکت کے لئے نہیں اقتدار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی ہر برائی کی نشان دہی کرنے کے لئے اور ہر ممبر جو الاخوان کا ہو گا وہ سب سے پہلے اپنے وجود پر اسلام نافذ کرے گا اور اپنے معاملات اسلامی حدود کے اندر رکھے تاکہ ایک وقت آئے کہ ہم پوری حکومت سے یہ کہہ سکیں کہ آپ بھی یا اسلام اپنائیں یا آپ کا راستہ اپنا ہے ہمارا راستہ اپنا ہے ہم اسلام پر جئیں گے اسلام پر مریں گے۔ آپ لچھے دار تقریروں کے عادی ہیں اور تفسیری نقاط کے عادی ہیں یہ سب سننا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے تھوڑی سی عامیانہ سی بات بھی کی جائے جس کی ضرورت ہے ہر روز لذیذ کھانے ہی نہیں کبھی اجوائن پیر ھی پھانکنا پڑتا ہے کہ ہاضمہ درست رہے کوئی تلخ اور کڑوی چیز بھی کھانا پڑتی ہے۔

تو میرے بھائی میں اور آپ مکلف ہیں میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ اس تنظیم الاخوان میں شریک ہو جائیں اور بنیادی طور پر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کریں اسلام کو نافذ کریں اس باڈی سٹرکچر پر اس وجود پر اس کا حلیہ

اسلامی بنائیں اس کا لباس اسلامی بنائیں اس کی بول چال کھانا پینا اسلامی بنائیں اس کا لین دین اسلامی بنائیں اسے سچ بولنا اور اللہ کی اطاعت کرنا سکھائیں اور معاشرے میں یہ مطالبہ لے کر کھڑے ہوں کہ یہ ملک اللہ کے نام پر اور دین کے نام پر بنا ہے اس پر دین کی حکومت ہونی چاہئے اپنے معاملات کو اپنی ذات کو دین کے سپرد کر دیں کہ ہم دوسروں سے بھی کہہ سکیں اور جو نہیں کرے گا اسے جواب ایک نہ اک دن دینا پڑے گا اور وہ دن دور نہیں ہے اللہ کے حضور اللہ کی بارگاہ میں۔ اور میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ احقاق حق کے لئے بہت بڑا لشکر ہو تو حق بیان کیا جائے اکیلا بندہ بھی حق بیان کرنے کا مکلف ہے اس چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ روئے زمین پر اللہ کا ایک بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہستی تھی جو اللہ کی توحید بیان کر رہی تھی اس ایک کے ساتھ دو ملے پانچ ملے سات ملے دس ملے اور وہ پوری انسانی آبادی میں پانچ سات یا دس افراد تھے مکی زندگی میں اور پوری روئے زمین پر جب وہ چالیس ہو گئے تو انہوں نے کہا اعلانیہ حرم میں جا کر نماز پڑھیں گے تو کیا اب اس ملک میں چالیس حق پرست بھی نہیں ہیں کہ کسی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر وہ حق کی بات کہہ سکیں یہ سارے وظیفے یہ سرے مجاہدے یہ ساری تبلیغیں یہ ساری تسبیحات دھری کی دھری رہ جائیں گی اگر احیائے اسلام کے لئے ہم کچھ نہ کر سکے تو اللہ کو ان کی ضرورت نہیں ہے اللہ کو ہمارے ان جذبوں کی ضرورت ہے اس خون کی ضرورت ہے اس قربانی کی ضرورت پسند ہے اللہ کو وہ جو اہم احیائے اسلام کے لئے دے سکیں اللہ کریم کو ہمارے وہ جذبے محبوب ہیں جو اس کے حکم کے نفاذ کے لئے ہم کر سکیں وہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے آپ اللہ کو کہتے ہو خود کرو۔ وہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے کافر کو بھی وہ پیدا کرتا ہے اس کا حلیہ وہ بناتا ہے اس کا خون اس کا قدوقامت اس کی شکل اس کی عقل اس کی روزی سب کچھ وہ دیتا ہے اس کے حکم سے کافر پیدا ہوتا ہے اسی کے حکم سے مر جاتا ہے اس کی جرات ہے سرتابی تو کرے جو اس نے اپنے ذمے لگایا ہے اس میں میرے اور آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں کر رہا ہے اور احسن طریق سے کر رہا ہے جو اس نے ہمارے ذمے لگایا ہے پھر ہم بھی کہتے ہیں یہ بھی اللہ میاں تو ہی کر تو ہمیں پیدا کرنے کا کیا مقصد ہوا؟ ہماری زندگی کس کام آئی؟ ہمارے کلمہ پڑھنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ اور ہم نے کون سا تیرا مارا آخر ہم کس کام آئے تو میرے بھائی اپنا محاسبہ کرو اور نفاذ اسلام کے لئے زبانی کر سکتے ہو عملاً کر سکتے ہو مالی کر سکتے ہو تحریر سے کر سکتے ہو خدا کے لئے مجبور کر دو ان دانش وروں کو کہ یہ انگریزی لبادہ چھوڑ کر مسلمانی کو اپنائیں اور عملاً اسلامی زندگی میں آئیں مجبور کر دو حکمرانوں کو کہ اسلام ان کی مجبوری بن جائے کہ اسلام کے بغیر زندگی کا تصور نہ رہے اس ملک میں مجبور کر دو ان ٹھیکے داروں کو کہ یہ انسانی زندگیوں سے کھیلنا چھوڑ دیں اور اللہ کے بندے بن کر زندہ رہنا شروع کریں اور اگر آپ اس کوشش میں شریک نہیں ہو سکتے تو شاید ہماری نمازیں یہ کہہ کر لوٹا دی جائیں کہ ان خالی خولی سجدوں کی ضرورت نہیں تھی اس کے ساتھ جذبہ ایثار چاہئے تھا جو تم لا نہیں سکے۔ اللہ کریم ہمیں ان حقائق کو سمجھنے کی صحیح فیصلہ کرنے اور بقائے اسلام کے لئے آہنی دیوار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

ضرورت رشتہ

اچھی فیملی کی 28 سالہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی کے لئے روشن خیال تعلیم یافتہ بہتر بیک گراؤنڈ کے حامل ساتھی کا رشتہ درکار ہے۔ جو سلسلے کے بارے میں مختلف Plans میں مدد دے سکے اور گھریلو ذمہ داریوں سے جب بھی ضرورت ہو' استشاء کر سکے۔ اٹک' پنڈی اور گرد و نواح کے علاقہ کو ترجیح۔ بذریعہ ڈاک کوائف ارسال کئے جائیں۔

برائے رابطہ : طاہر o r c عامر چشتی ایکس کالج آف کمپیوٹر سائنسز 6th روڈ سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی۔

فون نمبر: 844859 - 8448549 (آفس نمبرز)

TARIQ MAJEED
Commodore P.N. (Retd)

On October 30, 1994, in Casablanca, Morocco, was held a three-day economic conference described as " an extraordinary gathering of heads of state, government officials and 1200 top business executives from major Western companies, the Arab world and Israel"(1). Designated as Middle East-North Africa (MENA) economic summit, it was not only extraordinary but also astonishing. Israelis were the star performers at the conference. This was not too surprising, as it was held mainly for Israel's benefit. The conference was sponsored by the United States and Russia, but "Israeli Foreign Minister Shimon Peres was said to be its architect, and had brought with him more than half of the Israeli cabinet to Casablanca"(2). The more surprising feature was the too-willing and high-level participation in it by the Muslim countries, and even by non-regional distant ones such as Pakistan which sent a large delegation headed by the country's commerce minister.

It did not escape the notice of the Muslim political observers that it was in Morocco where, in 1969, the Muslim countries had met to set up a joint assembly, i.e. the Organization of Islamic Conference (OIC), for giving them a collective influential voice and for generating unity amongst them in international life, and where the 7th OIC summit was going to be held in December 1994, that a large group of Muslim countries had gathered to espouse the formation of a common market under Israeli domination! What magic wand did Israel wave to bring to that conference under its patronage so many Muslim countries, especially when most of them including Saudi Arabia and Pakistan did not officially recognize Israel?

Western observers said, the Casablanca summit could not have taken place without the PLO-Israel accord signed in Washington on September 13, 1993. In principle it sounded plausible, but in practice, that accord, purported to lay the basis for peace and security in the Middle East region, had achieved just the opposite: banishing peace by increasing friction and introducing new elements of discord. Indeed, the environment in the Palestine region was charged with greater conflict than before. Both parties, the Israelis and the Palestinians, were more aggressive to each other. It was demonstrated by the events ahead of the economic summit.

On October 21, following Israel's closure of the Gaza Strip and West Bank, "PLO chairman Yasser Arafat hit back saying it was a declaration of economic and social war against the Palestinians"(3). Three days later, "the Israeli prime minister, Yitzhak Rabin, gave security forces the green light to hunt down and kill the military leaders of the Hamas movement"(4). On October 25, "Israel rounded up dozens of Palestinian Islamists", ahead of US President Clinton's visit to the state(5). Israel insisted on keeping Arafat out of the ostentatious ceremony staged on Jordanian

territory on October 26 for signing its accord with Jordan, and witnessed by the American president amidst 5000 dignitaries.

"Arafat has blamed Israel for spurring the cycle of violence," between Israel and Islamic revolutionaries(6). He has repeatedly accused Israel of reneging on matters agreed to in the Washington accord, and delaying implementation of others. Israeli government spurns the accusations, insists on its own interpretation and shows no urgency for implementing the agreement. In one instance Yitzhak Rabin remarked, "We are not in a rush. Let them (PLO) sweat"(7). The escalating violence, the dissension over interpretation of agreement, and Israel's stalling manoeuvres do not inspire confidence for a climate of peace that, normally, is a pre-condition for any significant economic investment and cooperation.

The accord itself is a big disappointment, as a settlement of the problem of Palestine. It rejects the Palestinians' demand of an independent state of their own, and only allows for Palestinian local rule in specified territories under the government of Israel. It does not address settlement of the other major issues including the rehabilitation of the Palestinian refugees and the status of Jerusalem. A journalist reporting on the accord had commented that Yasser Arafat, who had all along been insisting on all-or-nothing, had surprised the Israelis by accepting so little!(8). What caused Arafat to abandon the long-held demands of the Palestinians and to make their torturous and costly struggle look futile? Having accepted Israeli dictates on the basics of the issue, would the PLO ever be in a position to resist Israel's further dictates? These questions have a direct bearing on the future shape of politics in the Middle East region.

The Arab states cannot be unaware of the gaping drawbacks of the accord and of the grave problems that would be spawned by it. From the details of the accord and the turn of events since its signing, they can see that Israel intends to maintain its hold on the captured West Bank and Jerusalem and to go ahead with its other plans including expansion of its territory to establish a so-called biblical "greater Israel", and demolishing of the Al-Aqsa mosque to build a fancy Solomon's synagogue on its site. They cannot fail to assess the effects that Israeli hegemony would generate in the region. The situation entails very serious perils whose shadows are already discernible. What has pressured the Arab rulers to become silent spectators of the ominous scene? Here, the answer is obvious: pressure by the United States.

But then, do the US policy makers not know of the glaring defects in the accord, the blatant injustice that it flings on the Palestinian people, and the dangerous fall out that it will cause not only on the Arab states but also on all the other Muslim states? They do know of it, but they have a blind commitment to Israeli interests in the Middle East and elsewhere in the world. This commitment is constantly reiterated by America's top leaders. Its latest expression was by President Clinton as he ended a tour of Israel on October 28, 1994. "I have redoubled in the support of the American people for the people of Israel... Today we are one step closer to the time when the people of Israel can live in peace, the time when the people of Israel will never again suffer death and destruction"(9). What drives the United States to give such zealous support to Israel and to side with it on every matter under the sun?

All these are crucial questions for analyzing the impact of the PLO-Israel accord on Arab politics. To study these questions and in fact to get to the bottom of the problem, makes it necessary to look into the major components of the topic. Indeed, a logical discussion of the intrinsic state and importance of these components, in other words a discussion of the inherent characteristics of Arab politics, the status of PLO and of its controversial chief, the actual substance of the accord, and the nature, character and interests of the state of Israel, would itself bring out the fundamental implications of the accord on politics in the Middle East, and would offer substance for determining the other implications.

Arab Politics

The Arab states, and the reference here is to the regimes, have been a disparate group in spite of two strong mutual bonds, that is, of religion and language, These two elements have also given the Arabs a common culture, but have not led to common politics. The religion of Islam is meant to guide all national affairs, including politics, of Islamic states. But in practice the contemporary Muslim states, in the Middle East and elsewhere, have kept Islam excluded from their foreign, military and economic affairs - which govern and shape the politics of states. Common language has but only a marginal effect on political matters. Gamal Abdul Nasir's Arab nationalism was an engineered, momentary spark kept alive by propaganda and Egypt's dominant status. It died out with Egypt's defeat in the 1967 War.

The Arab League, formed in March 1945 and extended to all the Arab states including Somalia by 1974, was meant "to strengthen the ties between the participant states, to coordinate their political programme and to consider in general the affairs and interests of the Arab countries"(10). However, "the league was handicapped from the beginning by differences among its members"(11). The Arab League, like its later sister-organization, the OIC, has remained devoid of spirit of commitment and unity of purpose. Both organizations operate under US influence, and presently are incapable of preventing Arab or Muslim politics from drifting in negative directions.

On the other hand several lines of division have been prevalent in the Arab world. A division exists in their political structures and systems. One set of states has consisted of monarchies or sheikdoms; the other professes to follow a semblance of republican system. Both are authoritarian but look at each other with distrust and dislike. In a second line of division one group of the Arab states has been closely aligned with the United States while the other has been hostile to it, although changes, favourable to the United States, in the latter group, have occurred over the years. The third form of division is marked by economic wealth that came to the oil-rich states in the wake of astronomical rise in petroleum prices following the oil-embargo caused by the 1973 Israeli-Arab War. The less-endowed states nourish a natural bitterness, aggravated by political factors, against the rich Arab states.

A divisive feature in the Arab world concerns its ruling or elite classes and the masses; there is a yawning gulf between the two, in almost all the states. The masses bear strong resentment against Israel, US and the West, are sick of the rulers' luxurious, amoral and wasteful ways and of the exploitative, unresponsive, Western-dominated political systems, and are eager to see their replacement by systems based on Islamic Shariah. The ruling classes want a perpetuation of the existing systems,

policies and life-style. This un-bridgeable divide between the ruling classes on the one side and the masses on the other, is being made deeper and wider by the PLO-Israeli accord.

The most important factor in Arab politics, and the only one that gave it a measure of unity and common purpose, was the Arabs' opposition and resistance to Israel. All shades of Arab states were united in this respect. A disappearance of this factor is bound to cause a deep disturbance in the very structure of politics in the Arab world.

The current scene of Arab politics has its most prominent feature in its subordination to US interests; US power straddles the Arab world from Morocco to Oman. Even, Libya, Syria and Sudan, considered hostile by US, are on the defensive, ever endeavouring not to offend the United States. Same is the case with Iraq, which in effect has been complying with every US demand. Yemen and Algeria, apparently dubious; would remain in the US camp till any radical change in their regimes. All the other states notably Morocco, Tunisia, Egypt, Jordan, Lebanon, Saudi Arabia, Oman, UAE, Qatar, Bahrain and Kuwait appear so subservient to US that they qualify to be called US satellites. This is going to render Arab politics meaningless in dealing with Israel, considering the Israeli influence on the United States.

Arab politics has an unenviable history of shocks. Two jolts, however, have been exceptionally severe. Egypt, the proponent of Arab nationalism, threw Arab politics in pandemonium by striking a separate deal with Israel in 1978. It came at a time when the Arabs had considerably regained their lost political prestige, the treasuries of their oil-rich states were beginning to overflow with surplus wealth, and these states stood poised to invest in a grand package of industrial projects for which labour and technical management was to be provided by Egypt. The next jolt to Arab politics was shattering. It was caused by Iraqi invasion of Kuwait in August 1990, and the American reaction to it, leading to US invasion of Iraq, in January 1991, and permanent stationing of US land, air and naval forces in the Arab Gulf states. Now, the third jolt set off by the PLO-Israeli accord portends to be even more shattering, as it is capable of altering not just the politics but also the geography of the Arab states.

Status of PLO

It is a tragic twist in the chequered life of PLO that when it got to a stage to reach an accord, of whatever value, with Israel, it had lost its status and popularity amongst the Palestinian people whom it had led for nearly thirty years! The Palestine Liberation Organization and its underground companion-body, the Palestinian Liberation Movement known by its Arabic name Fateh, were formed in 1964. The PLO immediately took over the handling of the Palestine question which until then had been the preserve of the Arab League.

After the 1967 Israeli-Arab War, PLO and Fatah merged, with the latter assuming the leadership, and in the ensuing period despite the emergence of other groups, PLO turned into the foremost representative body of the Palestinian people. Appearing on the scene as a dedicated Palestinian nationalist and a spirited guerrilla leader of the Fateh, Yasser Arafat swiftly leapt into political lime light. Finding PLO

and its chairman Arafat to be a credible adversary against Israel, the Arab states gave hefty material and moral support to PLO.

Dents in Arafat's popularity and his leadership ability occurred as early as September 1970 when Arafat pitted his guerrillas in an armed confrontation with King Hussein's army on Jordan's territory where the PLO had created a strong base for itself. His role was again found questionable during the civil war in Lebanon in the mid-1970s. In 1982 Israel invaded Lebanon. Arafat was expected to, at least, give a good fight to the Israelis, and had been boasting so. Instead, he misled the Palestinians and got them massacred, in thousands, by the Israeli army and air force, while he took an Israeli offer of safe exit from Beirut! He was roundly criticized. Doubts arose about his commitment and even loyalty to the Palestinian cause, especially, as reports pointed out that in the previous decade or so more than a dozen front rank PLO leaders had been sought out and assassinated by the Israeli secret service, but Arafat was being deliberately spared by the Israelis.

The PLO was, next, seriously hurt during the American-Iraqi crisis. Arafat rushed to side with Iraq's Saddam Hussain, much to the annoyance of most of the Arab rulers who were the financial backers of PLO. Arab money, which was PLO's primary source of sustenance, began to dry up. This hurt the position of the Palestinians and, indeed, became a factor that later compelled the hard core loyalists in PLO to soften their resistance to Arafat's accord with the Israelis. Serious analysts watching the Palestinian affairs noted that Arafat's initiatives or responses on several occasions, outwardly appearing defiant and opposed to Israel and US, turned out to be in their favor, and damaging to the Palestinian cause. Arafat's double game and his secret relations with his "arch enemies" were corroborated by other indications. US congressman Paul Findley wrote: "Secretary of State Cyrus Vance told me (in 1980) that he was in almost daily communications with Arafat and his staff and enlisting PLO help during the Iranian hostage ordeal, but Vance never said so in public."(12)

Findley, earlier in 1978, reported that Arafat in a meeting with him stated that: " he was ready to recognize Israel and renounce all violent means" in exchange for " an independent Palestinian state consisting of the West Bank and Gaza"(13). Findley later wrote, " I was elated. Arafat's pledge contrasted sharply with the harsh rhetoric of (his) public statements which called for the elimination of the state of Israel". Fifteen years later, Arafat, no doubt having been further cultivated by Israel, recognized Israel and renounced violent means in exchange for merely local rule in Gaza and Jericho under the government of Israel!

Both Arafat and PLO, in their prestige and representative statu s, have been badly mauled since the announcement of the Washington accord. A popular challenger to PLO's leadership is the Hamas movement which had grass-root power and appeal and was the main force behind the Palestinian Intifada(rebellion) against Israel. Previously Hamas worked with PLO and concentrated on the welfare needs of the Palestinians, and on strengthening the domestic front, while leaving the foreign affairs and the strategic struggle against Israel to PLO. Hamas leaders, now daily, are gaining in stature while Arafat's graph is rapidly falling. On November 2, 1994, Arafat was treated rudely and with contempt by fellow Palestinians, " and was booed and driven off " when he appeared in a Gaza city mosque to attend the funeral of an Islamic Jihad leader who was killed in a bomb explosion by Israeli agents.(14)

Another report said; "Palestinians believe that Israel installed Arafat in Gaza for the specific purpose of turning the liberation struggle of the Islamists into a Palestinian vs Palestinian battle rather than Palestinian versus Israel. When Arafat sided with Rabin against Hamas, the Palestinians organized huge processions in occupied territories against both Israel and Arafat. They raised slogans, "traitor Arafat, step aside", "down with dictator Arafat". Arafat's autocratic leadership is under fire from his colleagues also. They argue, his autocracy has led to near paralysis of the Palestinian movement"(15). An earlier story in the London-based Arabic daily al-Arab said, "After having lost the image of the PLO, following Yasser Arafat's humiliating surrender before the Zionists, the PLO leadership is trying desperately to revive it before the elections in the West Bank and Gaza Strip by introducing a new face for the top slot. Seemingly the man who is most acceptable to the PLO and Israel is Mahmud Abbas who is behind the scene architect of the Israel-PLO self-rule agreement."(16)

There are sharp pointers that Arafat may be removed from leadership or even from existence. In a way the job required of him has been completed with the self-rule strategy executed. PLO does need to bring up a new leader who should have roots and popularity amongst the Palestinian masses. But Arafat's replacement by someone who is favored by the Israeli leadership and has been distant from the West Bank Palestinians, which are the credentials of Mahmud Abbas, would lead to devastating effects on the politics in the Palestinian territories, Jordan, Lebanon, Syria and elsewhere in the Arab World. The dreadful spectre of an intra-Palestinian and consequently an intra-Arab civil war, that Yasser Arafat and the Hamas leadership, due to their sensitivity to the threat, and lingering mutual respect, have been carefully warding off inspite of planned instigation by the Israelis to both sides, would very likely materialize under a PLO chief who is alien to Hamas and allied to Israel. Coupled with this threat are the sharp differences that exist within PLO on the accord with Israel. A dwarfed and crumbling PLO is going to magnify and accelerate the threatening implications of the Washington accord.

Substance and Status of the PLO-Israeli Accord

The document known as an accord is, actually, only a set of conditions (almost all originated from Israel) on which subsequent negotiations to settle the issues embodied in the document would be based. It entails constant rounds of talks between PLO and Israeli negotiators, and striking of a series of agreements on the disputed matters. Officially designated as "Declaration of Principles on Limited Interim Self-Rule for Palestinians," the document consists of 17 Articles and 4 annexes setting out a framework for establishing a "Palestinian Interim self-government Authority" in the shape of an "Elected Council", initially in the Israeli territories of Gaza Strip and Jericho and later, subject to settlement, in other admissible West Bank areas.

It is a remarkable phenomenon that the main substance of this PLO-Israeli Washington accord is exactly embodied in the Egyptian-Israeli Camp David accord negotiated exactly sixteen years earlier, in September 1978, in Washington! One of the articles of the PLO-Israeli accord states:

> ***"Permanent status negotiations will commence as soon as possible, but not later than the beginning of the third year of the interim***

period between the Government of Israel and the Palestinian people representatives. It is understood that these negotiations shall cover remaining issues, including: Jerusalem, refugees, settlements, security arrangements, borders, relations and cooperation with other neighbors, and other issues of common interest".(17)

This insignificant, passing reference is the only mention, in the entire document, of the Jerusalem issue - an issue most vital to not only the Palestinians but also all the Muslim states. Another most important and pressing issue that of the millions of displaced Palestinians is also treated with pointed indifference. The document's major portion is devoted to economic and security arrangements between the Palestinian self-rule authority and Israel, with an unmistakable imprint that these are arrangements between a subordinate body and a superior authority. These are only a few glimpses to show the enormous inequity and inadequacy of the so-called peace accord.

How the majority of the Palestinians feel toward the PLO-Israeli accord can best be appreciated from the comments that a responsible official of the community addressed in a letter to the Prime Minister of Pakistan in February, 1994, after conclusion of the Gaza-Jericho deal between PLO and Israel in Cairo, under the Washington accord:

"The recent development, (that is), the "Gaza-Jericho First" agreement had been very detrimental to the Palestinian issue. The said agreement guarantees none of the fundamental rights of the Palestinians and accomplishes none of the goals for which our people have been struggling, such as the liberation of the occupied land and usurped shrines, and the attainment of freedom, sovereignty and independence. What this agreement offers the Palestinians is a limited feeble autonomy over less than two percent of the blessed land of Palestine. Israeli occupation troops and Jewish settlements will still occupy a substantial portion of this supposedly autonomous area. Furthermore, the Zionists... will exclusively control the affairs of defense, foreign policy, economy, and security of borders and crossing-points. Millions of Palestinians who have been banished from their homes, and live outside Palestine, are denied the right to return to their homeland...Realizing the serious repercussions of the agreement, and perceiving the injustice inherent in it, the majority of the Palestinian people stand firmly against this deal".(18)

What re, Israel has unlimited options to bend the accord and stall or even stop its implementation, and has been exercising its powers to do just that. In an incident on November 17, "PLO officials reacted angrily to Prime Minister Yitzhak Rabin's threat to hold up self-rule elections unless the PLO revises its charter... In their accord. Israel and the PLO had agreed to hold general elections by July 1994. For balloting to take place, Israeli troops must first pull out of Arab cities (which they have not done yet). A new round of talks on re deployment of troops and elections

was scheduled for Nov. 21 but on Nov. 17 Israel announced it was delaying them till the end of the month".(19)

The ambiguous, one-sided accord is a perfect instrument for Israel to propel PLO and anti-Israel Palestinians into a destructive mutual war. By terrorist operations against the West Bank Palestinians by its secret agencies, Israel provokes Hamas to retaliate and strike against Israeli Jews. The Israeli government then, on the one hand demands that PLO apprehend and punish the Hamas activists, and threatens to stop progress on the autonomy programme, and on the other unleashes its own 'revenge' against the Palestinians fueling more battles. Barely ten days after the much-publicized Gaza-Jericho deal signed on February 10, 1994, Israel's Mossad started the cycle of terrorism with a cold-blooded massacre of innocent Palestinians when, "An American-born Jewish settler burst into a mosque in Hebron, in the occupied West Bank, and opened fire with an assault rifle, mowing down dozens of Muslim worshippers as they knelt in prayer"(20). The slaughter committed by the trained American-Israeli ex-army person, Baruch Goldstien, was calculated to draw an emotional outcry from the Palestinians and to leave on them permanent scars of anger. Thus, as noted by Time's reporter:

> ***"Baruch Goldstien chose time, place and method well to produce the most inflammatory effect possible. What better time than a Friday, the Islamic holy day, during Ramadan, the month of fasting and prayer? What better place than the Ibrahimi Mosque, a site thought to contain the graves of prophets Abraham, Isaac and Jacob, guaranteed to draw a wall-to-wall crowd of worshippers? What better method than to spray clip after clip of bullets into them without warning?"(21)***

The heinous attack was carried out at dawn prayers with "shocking efficiency, (when) by 5.20 am, about 700 men, women and children had jammed into the mosque...and the worshippers were kneeling forward on mats, touching foreheads reverently to the floor"(22). More than 60 men, women and children were killed and about 100 were wounded. The massacre achieved its purpose. Across the board escalation in tensions and violence, as aimed at by Israel, has continued to build up since then. Ramifications, of this strategy of Israel, are themselves amongst the most serious implications emanating from the accord. After a bus bombing by a Palestinian suicide bomber on October 19 in Tel Aviv, " Israel imposed a closure order on Gaza and the West Bank, and army chief Ehud Barak talked openly about cutting off the flow of Palestinian workers into Israel for good"(23). ***An Israeli periodical wrote: "As a condition for progress in the autonomy talks, Rabin is demanding that Arafat track down the armed Hamas militants in Gaza, jail them, and smash their underground infrastructure"(24). Rabin also came out with a 'new' concept : "He outlined a vision of 'separation' between the Israelis and the Palestinians, a retreat from the notion of close economic cooperation...'We need a separation between us and the Palestinians, 'Rabin states, 'not just for days, but as a way of life".(25)***

In Rabin's words lies the vision of the devastating change that Israel plans to bring about in the entire Arab world. This concept of 'change' is neither new nor unexpected. Exactly three years earlier, in November 1991, following the Middle East

peace conference in Madrid, where the stage for the subsequent PLO-Israeli accord was set, Israeli Prime Minister Yitzhak Shamir had announced in Jerusalem:

"A peace treaty with Arabs will change the face of Middle East"(26). In Israeli terminology, normal words are loaded with abnormal meanings and implications which come to surface only much later when their meanings have well advanced into realization. The substance of the PLO-Israeli accord, rather every clause in it, is designed to produce that change, in the Arab world, whose vision the Israeli leaders have been nourishing for a long time. Israel will not let the accord lead to any favourable result for the Palestinians which the latter might be hoping for, nor will it allow PLO to opt out of the accord. The Palestinians, like the Iraqis, are caught in the Saddam Syndrome: after Saddam Hussein had been misled to occupy Kuwait, he was not allowed to withdraw until his nation was crippled, humiliated and divided by US military power! (CONTINUED)

NOTES

1. Time, November 14, 1994p.31
2. Reuters despatch, "Israelis slowly make inroads into Muslim States," The News, Lahore, Nov. 2, 1994.
3. AFP/AP, The Muslim, Islamabad, October 22, 1994. p. 1.
4. AP, The Muslim, October 25, 1994, p. 1.
5. AP, The Muslim, October 26, 1994, p. 1.
6. Arafat's interview with the Associated Press and the APTV, The Muslim, November 17, 1994, p. 8.
7. Time, January 17, 1994, p.9.
8. Time, September 13,1993, p.15.
9. AP, The Muslim, October 29, 1994, p.1.
10. Britannica, Micropaedia, Vol. I, 1976, p. 470.
11. Ibid
12. Paul Findley, "They Dare to Speak Out: People and Institutions Confront Israel's Lobby," Lawrence Hill & Company Connecticut, 1985, p. 15.
13. Ibid, p. 13.
14. The Muslim, November 6, 1994, p.1.
15. The Muslim, November 6, 1994, p.1.
16. The Muslim, September 18, 1994.
17. New York Times, 'Text of Draft Agreement,' September 1, 1993.
18. Letter dated February 11, 1993, addressed to Prime Minister Benazir Bhutto by Kahlid Misha'al head of political Bureau of the Islamic Resistance Movement, Hamas, Palestine.
19. AP, The Muslim, November 19, 1994.
20. Time, March 7, 1994, p.11.
21. Ibid., p. 21.
22. Ibid.
23. The Jerusalem Report (bi-weekly), Jerusalem, November 17, 1994, p. 20.
24. Ibid.
25. Ibid.
26. The News, Lahore, November 6, 1991.

MONTHLY

AL-MURSHED

Reg. No. L8607

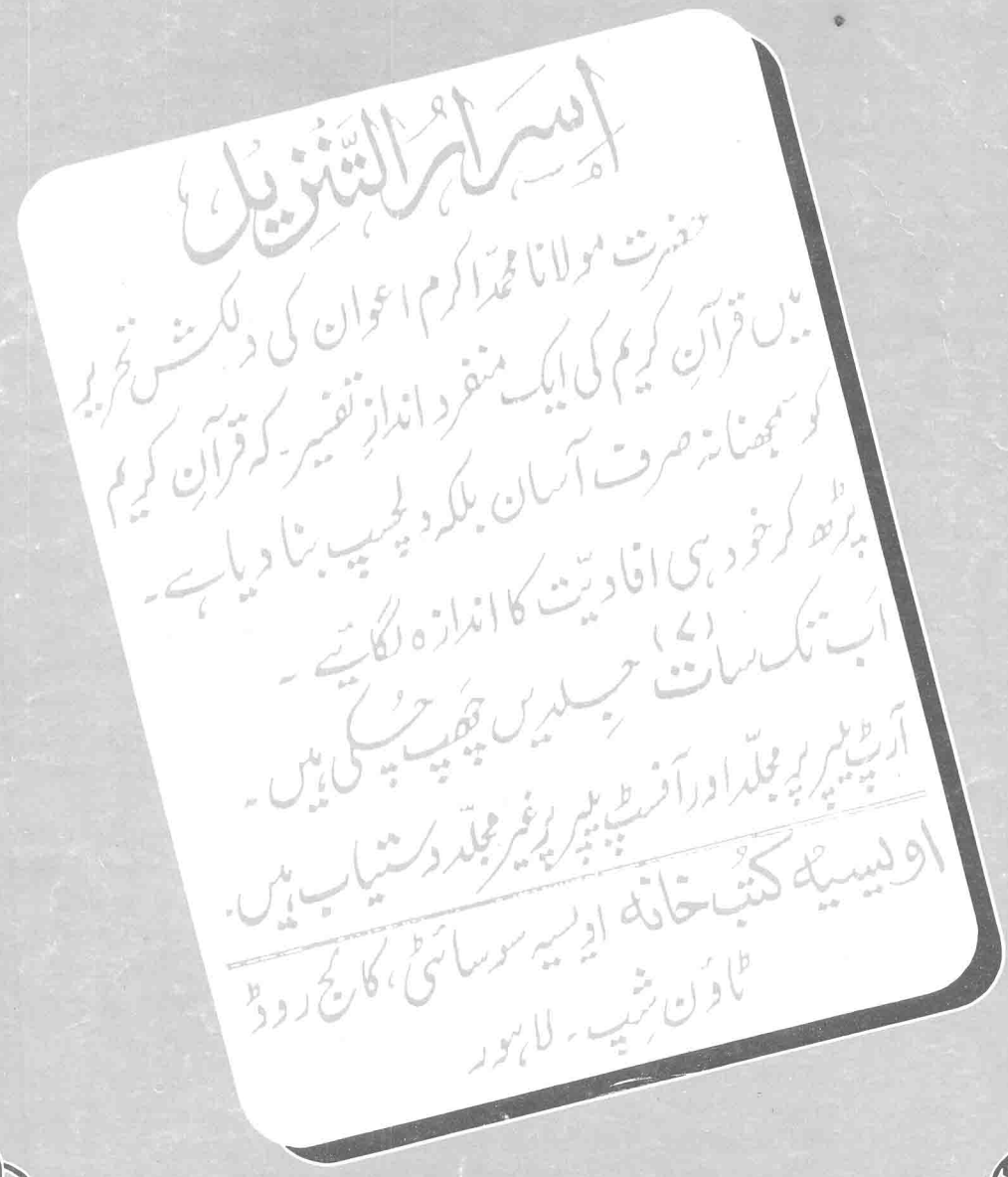

AWAISIA SOCIETY, COLLEGEROAD
TOWNSHIP LAHORE. PH: 5115086